بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُورۂ فاتِحہ سے ہماری غفلت

حصہ اول..... باضافہ جدیدہ

مصنف

عبد اللّٰہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات، حیدرآباد)

زیرسرپرستی

مولانا مفتی محمد مصطفی مفتاحی

(چیرمین ایمانیات سنٹر حیدرآباد اے پی، انڈیا)

ناشر

عظیم بکڈپو، جامع مسجد، دیوبند۔ یوپی۔ پن کوڈ: 247554

Ph.No: 01336-223845, Mobile: 09319525634

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حق کتابت غیر محفوظ
(بغیر کسی تبدیلی کے چھپوانے کی کھلی اجازت ہے)

نام کتاب: سورۂ فاتحہ سے ہماری غفلت
مصنف: عبداللہ صدیقی
زیر سرپرستی: مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحی
کتابت: محمد کلیم الدین سلمان قاسمی (9949466508)
سن طباعت: 2009
تعداد اشاعت: ۵۰۰
قیمت:
ناشر: عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی۔247554

ملنے کا پتہ

AZEEM BOOK DEPOT
JAMA MASJID ISLAMIA BAZAR, DEOBAND U.P.
Ph.No: 01336-223845, Mobile: 09319525634
E.mail: AZEEMBOOKDEPOT@HOTMAIL

انشاء اللّٰہ تعالی
اس کتاب کا ہندی ترجمہ شائع کیا جائے گا۔

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم	4	**لِلّٰہِ**	63
ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کی حکمت	8	**رَبِّ الْعَالَمِیْن ۔**	65
بسم اللہ کے ساتھ مسلمانوں کی غفلت	10	دنیا کو دارالاسباب بنایا گیا	69
سورۂ فاتحہ کی خصوصیات	12	انسانوں نے اللہ کو دنیا کے بادشاہوں ہر قیاس کیا	71
سورۂ فاتحہ کے ناموں سے اس کی عظمت	12	صفت ربوبیت کو نہ سمجھنے سے شرک کا راستہ اختیار کیا	73
ایمان والوں کا سورۂ فاتحہ کے ساتھ لگاؤ	18	ربوبیت کی تکرار بار بار کیوں کرائی جارہی ہے؟	73
مسلمانوں کی زندگی سورۂ فاتحہ کے برعکس	20	انسانوں میں ربوبیت الٰہی کا یقین کمزور کیوں؟	75
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	22	ربوبیت کو سمجھانے کی مثالیں	78
کیا مسلمان اللہ کی تعریف سمجھ کر کررہے ہیں	23	ربوبیت کے لئے محبت کی سخت ضرورت ہے	102
اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں حمد کے الفاظ ہی نہیں	24	پانی کی تقسیم سے ربوبیت کو سمجھئے	105
گندے عقیدہ سے پاک رہنے کیلئے حمد کا بیان کرنا ضروری ہے	26	جانوروں کی زندگیوں پر غور کرکے ربوبیت الٰہی کو سمجھنے کا طریقہ	106
حمد کے ذریعہ توحید کا اقرار	28	نظام ربوبیت کی وجہ سے وحی ورسالت کی ضرورت	111
سورۃ کی ابتداء حمد سے کیوں ہورہی ہے؟	29	دنیا میں مختلف ایجادات بھی ربوبیت الٰہی کا مظہر ہیں	111
مخلوقات حمد کے لائق کیوں نہیں	31	رب العالمین سے حاصل ہونے والا سبق	117
کسی کی بھی تعریف کمال جمال اور نوال سے متاثر ہوکر کی جاتی ہے	35	اللہ کو رب اور باپ کہنے میں فرق	117
کائنات اللہ کو پہچاننے کا آلہ ہے	47	دنیا میں قحط اور دوسری تکالیف کیوں آتی ہیں	120
انسان کو اللہ کا شکر گذار بندہ بن کر زندگی گذارنا ہوگا	49	نظام ربوبیت سمجھا کر توحید کی دعوت دی جاسکتی ہے	122
شکر ادا کرنے کیلئے تین شرطوں کو پورا کرنا ہوگا	50	**اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**	125
شکر گذار اور ناشکرے انسانوں کی مثالیں	53	قرآن مجید تمام کا تمام رحمت الٰہی کا مظہر ہے	125
		بسم اللہ کے ساتھ الرحمٰن الرحیم کو جوڑنے کی حکمت	125

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے)

اسلام انسان کو جو تہذیب سکھاتا ہے اس کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ انسان ہر کام کو اپنے پیدا کرنے والے خالق اور پرورش کرنے والے مالک کے نام سے شروع کرے، قرآن کریم کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے انسان کو اس کی تعلیم بالکل شروع ہی سے دی ہے، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق خود قرآن کریم کہتا ہے کہ جب انہوں نے ملکۂ سبا کو خط لکھا تو اس خط کا آغاز انہی مبارک کلمات سے کیا تھا:

اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ (النمل:۳۰)

وہ خط سلیمان کی جانب سے ہے اور اس میں مضمون کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کے تعلق سے قرآن مجید یہ بتلاتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار کرلیا تو اس وقت اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا فرمائے:

وَ قَالَ ارۡکَبُوۡا فِیۡہَا بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖہَا وَ مُرۡسٰہَا اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۔ (ھود:۴۱)

فرمایا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے بیشک میرا رب مغفرت رحمت والا ہے۔

مسلم اور غیر مسلم تہذیب کا فرق:

دنیا کے انسانوں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ مسلم اور غیر مسلم تہذیب وتمدن میں بہت بڑا فرق ہے، دنیا کی غیر مسلم قومیں جب بھی اپنا کوئی کام شروع کرتی ہیں تو وہ اپنے پیدا کرنے والے مالک کے نام سے شروع کرنے کے بجائے اپنے تمام کاموں کو دیوی دیوتاؤں یا بتوں کا نام لے کر شروع کرتی ہیں، حالانکہ وہ اللہ کو گاڈ (GOD) پربھو، پرماتما اور ایشور وغیرہ کے نام سے مانتے ہوئے اللہ ہی کو سب سے بڑا مانتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ خدا کا نام لینے کے بجائے غیر اللہ کا نام لیتی ہیں، عیسائی اپنے آپ کو آسمانی کتاب کا حامل کہتے ہیں اور باقاعدہ گاڈ (GOD) کہہ کر اللہ کو مانتے ہیں مگر اپنے تمام کاموں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام (Jesus,Jesus) جیزس کہہ کر لیتے رہتے ہیں، اسلام کے اس خالص توحیدی کلمہ کے مقابلہ میں مسیحیت کا فقرۂ افتتاحیہ دیکھئے

''شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے'' اکثر غیر مسلم قوموں کی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کاروبار خاص طور پر ربن کاٹ کر ناریل پھوڑ کر، گھنٹہ بجا کر یا دوکان کی چوکھٹ کو چوم کر یا گوبر کے پانی کا چھڑکاؤ کر کے کُم کُم لگا کر یا اگربتیوں کا دھواں دے کر شروع کرتی ہیں۔

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعہ یہ تعلیم و ہدایت دی ہے کہ انسان اپنے ہر اچھے کام کو اپنے پیدا کرنے اور پالنے والے خالق و مالک کے نام سے شروع کرے اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہر (جائز) کام جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے، ایک اور حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی کہ گھر کا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ کہو، چراغ (بجلی) جلاؤ تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھانکو تو بسم اللہ کہو، کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے اور اترنے، جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ (قرطبی) اور خود رسول ﷺ کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ آپ ﷺ اس قسم کے تمام کاموں کی ابتداء بسم اللہ ہی سے کرتے تھے، اسلام کے سوا دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں بسم اللہ جیسی بابرکت نعمت ہے ہی نہیں۔

انسان کو عقل رکھتے ہوئے اندھی تقلید نہیں کرنی چاہئے

انسان اپنی زندگی میں جب بھی کسی کام کا ارادہ کرے تو پہلے اپنی عقل سے سوچے اور سمجھے، اندھی تقلید نہ کرے، مثلاً غذا کھاتے اور پانی پیتے وقت انسان کو یہ بات سوچنی چاہے کہ اس غذا اور پانی کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ ان کا حقیقی مالک کون ہے؟ اگر انسان کائنات میں غور و فکر کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے نے انسانوں اور دوسری مخلوقات کی پرورش کے لئے زمین بنائی، آسمان بنایا اور پھر زمین سے پانی کو بخارات میں شکل میں اڑا کر آسمان سے بارش برساتا ہے اور زمین سے انسانوں اور ان کے جانوروں کیلئے چارہ اگاتا ہے، سورج کو بھی اسی نے بنایا تاکہ وہ انسانوں کی کھیتیوں کو پکائے، غرض اللہ نے اپنی مہربانیوں اور حکمتوں سے انسانوں کے پیٹ بھرنے کا سامان پیدا فرمایا، وہی حقیقی رب ہے اور وہی اکیلا مالک ہے، اب اگر انسان لقمہ منہ میں لیتے وقت اپنے مالک کے بجائے غیر مالک کا نام لے لے تو کیا یہ بندگی اور غلامی ہوگی؟

اور کیا یہ انصاف کی بات ہوگی کہ کھائے ایک کا اور نام لے دوسرے کا؟ نہیں! یہ تو سراسر ظلم ہوگا کیونکہ کائنات میں نہ کوئی دوسرا خالق ہے اور نہ مالک، مگر عجیب بات یہ ہے کہ مشرک انسان اللہ کو سب سے بڑا مانتے ہوئے بھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اللہ ہی کا کھاتا اور اللہ ہی کا پیتا ہے، اسی کی زمین پر سوتا اور اسی کے آسمان کے نیچے رہتا ہے مگر کام شروع کرتے وقت اپنے اصلی اور حقیقی مالک کو چھوڑ کر غیروں کا نام لیتا ہے جب کہ وہ (غیر) غذا کا ایک دانہ اور پانی کا ایک قطرہ بھی پیدا کرنے کی صلاحیت تک نہیں رکھتے، غور کرنا چاہئے کہ ملکیت کس کی ہے اور نام اس پر کس کا لیا جارہا ہے؟ جب کہ ایک انسان خود اپنے بارے میں یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا یا بیوی اس کے پسینہ کی گاڑھی کمائی کھاتے اور استعمال کرتے وقت اس کمائی کو غیروں کی طرف منسوب کرے یا غیروں کا نام لے کر استعمال کرے، کیونکہ وہ تو سختی سے یہ چاہے گا کہ اس کی کمائی کو صرف اسی کی طرف منسوب کیا جائے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ اس کو غداری اور بغاوت تصور کرے گا۔

اسی طرح انسان جب ہر روز کاروبار شروع کرتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کی مدد اور برکت کا محتاج ہوتا ہے، مثلاً کسان بارش کے نہ ہونے پر بار بار آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی محتاجی کا اظہار کرتا ہے مگر اس کے باوجود اکثر گمراہ انسان اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے مالک کے نام سے کاروبار شروع کرنے کے بجائے ناریل پھوڑ کر، دہلیز کو قمقمہ لگا کر، یا اگربتیوں کا دھواں دے کر یا ربن کاٹ کر اپنے کاروبار شروع کرتے ہیں، کاروبار میں کامیابی دینا نہ دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے، گاہک کو دوکان پر لانے والا اللہ ہے، غور کیجئے کہ کیا یہ عقلمندی ہے اور کیا اس طرح عمل کرنے سے اللہ کی مدد ملے گی؟ یہ تو صرف باپ دادا کی اندھی تقلید ہے جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں، ان طریقوں سے شیطان نے انسانوں کو ان کے پیدا کرنے والے سے دور اور جہالت سے قریب کردیا ہے۔

مسلم اور غیر مسلم کی زندگی کا تقابل

غرض مسلم اور غیر مسلم دونوں سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، نوکری اور تجارت کرتے ہیں مگر مسلم سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد، کھانے سے پہلے اور کھانے کے

بعد، پانی پینے سے پہلے اور پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق، اپنی محتاجی اور اپنی عبدیت اور غلامی کا اظہار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل ہوتی ہے اور اس کے ہر کام میں برکت ہی برکت ہو جاتی ہے اور اس کو قلبی سکون ملتا ہے۔

اس کے برعکس غیر مسلم اپنے سونے جاگنے، کھانے پینے اور کاروبار کرنے میں غیر اللہ کا نام لیکر اللہ کے ساتھ نافرمانی، بغاوت، بے وفائی اور ناشکری کا اظہار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے ہر کام میں بے برکتی ہی بے برکتی رہتی ہے اور اس کو کوئی قلبی سکون بھی حاصل نہیں ہوتا، وہ لاکھوں کی دولت اور ہر قسم کا سامانِ عیش رکھتے ہوئے بھی سکون اور نورانی زندگی سے محروم رہتا ہے۔

بس جب کہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے تو انسان کو چاہئے کہ ان چیزوں کو جب استعمال کرے تو اس پر صرف اور صرف اس کے حقیقی مالک کا نام لے کر شروع کرے گویا بسم اللہ ایک سلیم الفطرت انسان کے دل کی ایک فطری آواز ہے جو ہر کام کے کرتے وقت اس کی زبان سے نکلنی چاہئے۔

ہم نے یہ مقولہ بہت مرتبہ سنا ہے کہ جو جس کا کھاتا ہے اسی کا نام لیتا ہے یا اسی کی گاتا ہے اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کے گن گانا چاہئے۔

سمجھانے کیلئے ایک شاندار مثال

دو شیطان تھے، ایک مسلمان کے ساتھ رہتا تھا دوسرا غیر مسلم کے ساتھ، مسلمان کے ساتھ رہنے والا شیطان بہت کمزور دبلا پتلا اور ناتواں تھا، غیر مسلم کے ساتھ رہنے والا موٹا تازہ تندرست تھا تو موٹے شیطان نے دبلے شیطان سے پوچھا تیرا حال ایسا کیوں ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں جس کے ساتھ رہتا ہوں وہ ہر کام میں بسم اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے جس کی وجہ سے میں اس کے کسی کام میں شریک نہیں ہوسکتا اور بیمار کمزور ہوتا جارہا ہوں، غیر مسلم کے شیطان نے کہا میرا ساتھی تو اللہ کو یاد ہی نہیں کرتا وہ ہر بار غیر اللہ کا نام لیتا ہے اس لئے مجھے اس کے ساتھ ہر کام میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے یہاں تک کہ میں اس کی بیوی سے بھی صحبت میں شریک ہوتا ہوں۔

ہر کام بِسْمِ اللّٰہِ سے شروع کرنے کی حکمت

☆ اسلام نے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کی ہدایت دے کر انسان کی پوری زندگی کے رخ کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیا ہے۔

☆ ایک انسان بِسْمِ اللّٰہِ کہتے ہی سب سے پہلے توحید کا اقرار اور شرک، کفر والحاد سے گویا انکار کا اعلان کرتا ہے۔

☆ بِسْمِ اللّٰہِ کے ذریعہ انسان قدم قدم پر اس وعدہ اور وفاداری کو تازہ کرتا ہے کہ اس کا وجود اس کی بقاء اور اس کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی، مشیت، ارادے اور مدد کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

☆ جب کوئی انسان بِسْمِ اللّٰہِ کے ذریعہ اپنا کام شروع کرتا ہے تو گویا وہ اپنے کام کو اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہے اور جب وہ اپنے کام پر اللہ تعالیٰ کا نام لیگا تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اس کام میں شامل ہوجائے گی نیز اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت بھی اس کام میں ظاہر ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰہِ کو ارادے اور شعور کے ساتھ پڑھنے پر ظاہری فائدے

انسان اگر اس دعاء کو ارادے اور شعور کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کرلے تو ظاہری طور پر انسان کو حسب ذیل فائدے حاصل ہوں گے۔

☆ بسم اللہ انسان کو پہلے ہی قدم پر متنبہ اور ہوشیار کردیتی ہے کہ جو کام وہ کرنے جارہا ہے وہ کام خدا کی نافرمانی اور اس سے بغاوت کا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی مرضی کے مطابق اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔

☆ انسان کو ہر کام میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی عادت، اسے ہر کام شروع کرتے وقت نیکی اور بدی کو سوچنے پر مجبور کردے گی اور لازماً وہ بہت سے گناہ کے کاموں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

☆ انسان اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی دو عظیم صفتوں رحمٰن اور رحیم کا سہارا حاصل کرلیتا ہے جس سے اللہ کی تائید اور توفیق اس کے شامل حال ہوجاتی ہے، ظاہر ہے انسان ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج رہتا ہے، اس کے بغیر اس کو کسی کام میں کامیابی نہیں ملتی۔

☆ اس کام کے کرنے میں اگر اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اسکے وبال سے اس کو محفوظ رکھنے اور اس کام کو بنانے اور تکمیل تک پہنچانے کی اس کو قوت و ہمت عطا فرمانے کی ایک بہترین دعاء ہے۔

☆ **بِسۡمِ اللّٰهِ** کے ذریعہ انسان کے تمام کاموں میں شیطان کی مداخلت ختم ہوجاتی ہے اور انسان شیطان کی چالوں اور فریبوں سے محفوظ رہتا ہے یہاں تک کہ اگر انسان بسم اللہ نہ کہے تو حدیثوں میں آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بھی انسان کے ساتھ کھانا کھانے حتی کہ مباشرت میں تک شریک ہوجاتا ہے۔

☆ **بِسۡمِ اللّٰهِ** کے ذریعہ انسان دنیا میں بھی اس کام کو اپنے لئے نافع اور بابرکت بنانے اور آخرت میں بھی اس کام کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنانے کی خواہش کرتا ہے۔

☆ **بِسۡمِ اللّٰهِ** کی یہ برکتیں تو ہر کام کے ساتھ ظاہر ہوتی رہتی ہیں لیکن خاص قرآن مجید کی تلاوت کا آغاز بسم اللہ سے کرنے میں کچھ اور بھی فائدے ہیں انہیں بھی ذہن میں رکھتے چلئے:

☆ سب سے پہلے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ سے قرآن مجید کی تلاوت کا آغاز کرکے انسان اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہے جو حضور اکرم ﷺ کو بالکل ابتدائی وحی نازل کرتے وقت دیا گیا تھا۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۔(سورۂ علق) پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

☆ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ وہ علم بے روح اور بے جان ہے جو خدا کے نام اور ذکر سے خالی ہے اور اس سے اس بات کی بھی ترغیب اور تعلیم ملتی ہے کہ خلق خدا کو جو بھی تعلیم دی جائے وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ دی جائے۔

☆ انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل اور بات کرنے کی نعمت عطا فرمائی جس کی بدولت وہ قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل بنا، اب وہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے ساتھ اس کلام کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ ہوجاتی ہے اور اس کے دماغ کے بند دروازے کھلنا شروع ہوجاتے ہیں اور اس سے اس کے معانی وحقائق کا فیضان اس پر شروع ہوجاتا ہے۔

بسم اللہ کے ساتھ مسلمانوں کی غفلت

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی قرآن مجید سے دوری اور صحیح تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے یا تو وہ بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں یا پھر رسمی انداز سے پڑھ لیتے ہیں، مسلمانوں کی اکثریت دوکان کھولتے وقت، کاروبار کو نکلتے وقت، مال خریدتے اور فروخت کرتے وقت سواری پر بیٹھتے اور اترتے وقت یا نوکری پر چڑھتے یا حاضری رجسٹر میں دستخط کرتے وقت، خیر خیرات کرتے وقت یا دنیا کی کوئی تعلیم حاصل کرتے وقت، پانی، چائے اور شربت پیتے وقت، دروازہ کھولتے اور بند کرتے وقت، بجلی گل کرتے وقت، غیر مسلموں کی طرح بالکل بے شعوری کے ساتھ یہ تمام کام شروع کر دیتے ہیں اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں کہتے حالانکہ ان کو بسم اللہ کہنے کی عادت ہونی چاہئے۔

چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہنے کی عادی نہیں اور **بِسْمِ اللّٰهِ** کہے بغیر اپنے سارے کاموں کو شروع کر دیتی ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگیوں میں بے برکتی ہی بے برکتی نظر آتی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی بنیادی تعلیم میں اس آیت کے بار بار پڑھتے رہنے کی اہمیت کو نہیں بتلایا جاتا اور نہ اس کے پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے صرف رسمی انداز سے سمجھایا اور پڑھایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بچوں کو بچپن ہی سے اس کا شعور نہیں مل پاتا۔

ماں باپ اور اساتذہ کو چاہئے کہ وہ بچوں کو بچپن ہی میں اس آیت کی اہمیت بتلا کر ہر کام کے کرنے میں **بِسْمِ اللّٰهِ** کہنے کے عادی بنائیں اور اس کی بار بار ترغیب دیتے رہیں یہاں تک کہ دنیوی تعلیم پڑھتے یا گھروں پر ہوم ورک وغیرہ کرتے وقت بھی خاص طور پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھوا کر ان کو اپنے کام کا آغاز کرنے کی ترغیب دیتے رہیں، انشاءاللہ تعالیٰ اس سے وہ دنیاوی تعلیم کے شر اور برائی سے محفوظ اور اس کی اچھائیوں اور برکتوں کو حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب رہیں گے۔

داعی حضرات کے لئے ایک مشورہ

اگر آپ کی کسی غیر مسلم سے ملاقات ہے اور آپ اس کے دل و دماغ پر سے غیر اللہ کے

نقش کو مٹا کر اس کے ذہن کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف موڑنا چاہتے ہیں تو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا ترجمہ اس کو سمجھایئے اور کہئے کہ وہ بھی اپنی زبان میں ہر کام کی ابتداء اپنے پیدا کرنے والے کے نام سے کرے، چنانچہ بعض غیر مسلموں کو دیکھا گیا کہ وہ اپنا ہر کام یہ کہہ کر شروع کرتے ہیں مثلاً اجرت لیتے وقت یہ کہتے ہیں: ''اے میرے پیدا کرنے والے! میں آپ کے نام سے مال لیتا ہوں تو اس میں برکت دے'' کھانا کھاتے وقت ''اے میرے پیدا کرنے والے میں آپ کے نام سے کھاتا ہوں تو برکت دے'' وغیرہ وغیرہ، انشاء اللہ تعالیٰ اس حکمت کی وجہ سے آہستہ آہستہ غیر مسلموں کے دماغ سے غیر اللہ کا اثر ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دنیا میں کوئی چیز بنیاد ڈالے بغیر کھڑی نہیں کی جاتی مگر اسلام کی تعلیم ایمان دئے اور سمجھائے بغیر دی جارہی ہے، جس طرح جڑوں کے بغیر پتے، ڈالیاں، پھل، پھول نہیں آتے اسی طرح ایمان کے بغیر اعمال پیدا نہیں ہوتے۔ وضو، غسل، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ماں باپ کی خدمت، استاد کا ادب اور دیگر امور کے مسائل یاد دلانے سے ایمان پیدا نہیں ہوتا، ایمان کے لئے باقاعدہ ایمانیات کی تعلیم حاصل کرنا ہوگا اور ایمانیات کی تعلیم اللہ تعالیٰ کی صفات کو آفاق و انفس میں سمجھنے کے بعد ہی ملتی ہے۔ شعور دئے بغیر دین کی تعلیم دینے سے لوگوں میں بے شعوری بہت زیادہ ہے۔ اس لئے ہماری کتاب **تعلیم الایمان** کے تمام حصے خود بھی پڑھئے اور اپنے بچوں کو بھی پڑھایئے۔

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ

یہ مکی سورت ہے جس میں سات آیتیں، ۲۵/الفاظ اور ۱۲۳/حروف ہیں جو بات جتنی زیادہ اہم ہوتی ہے قدرتی طور پر پہلی اور نمایاں جگہ پاتی ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی خصوصیات

سورۂ فاتحہ کو قرآن مجید میں بہت سی خصوصیات حاصل ہیں، قرآن اسی سے شروع ہوتا ہے، نماز بھی اسی سے شروع ہوتی ہے اور نزول کے اعتبار سے بھی سب سے پہلی سورۃ جو مکمل طور پر نازل ہوئی یہی سورت ہے، سورۂ علق، سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی چند آیات ضرور اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں مگر مکمل سورت سب سے پہلے فاتحہ ہی نازل ہوئی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی کتابی ترتیب، ترتیب نزول سے مختلف ہے اور اکثر وہ سورتیں پہلے نظر آتی ہیں جو بعد میں نازل ہوئیں، مثلاً آخری پاروں کی اکثر سورتیں مکی ہیں جو آغاز وحی میں نازل ہوئی ہیں لیکن انہیں سورتوں پر کتاب الٰہی ختم ہوتی ہے، سورۂ بقرۃ ہجرت کے بعد نازل ہوئی لیکن سورۂ فاتحہ کے بعد اسی سے قرآن حکیم شروع ہوتا ہے۔

مگر اس اعتبار سے سورۂ فاتحہ ایک عجیب سورت ہے جو ہر ترتیب میں پہلی ہے اور اس کی اولیت ہر جگہ یکساں طور پر ممتاز نظر آتی ہے، یہ وہ پہلا سبق ہے جو درسگاہ الٰہی سے ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' کو دیا گیا اور پہلا بیان ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قرآن حکیم میں رکھا گیا ہے یعنی نزول کے اعتبار سے بھی وہی پہلی سورت ہے جس کو کتاب الٰہی کا سب سے پہلا صفحہ ملا، اس طرح یہی سورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پہلی بھی قرار پائی اور جب بھی قیامت تک آنے والے انسانوں میں سے جو انسان بھی جستجوئے حق میں بے قرار ہوگا تو سب سے پہلے یہی سورۂ فاتحہ اس کے سامنے آئے گی۔

سورۂ فاتحہ کے ناموں سے اس کی عظمت کا اندازہ لگائیے

اس سورت کو قرآن مجید کی ترتیب میں دیباچۂ قرآن کی حیثیت حاصل ہے اور حدیثوں میں اس

سورت کے مختلف نام آئے ہیں، سب سے پہلے ان ناموں سے اس سورت کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔

فاتحة الكتاب :اس سورۃ کا ایک نام فاتحۃ الکتاب ہے جس کے معنیٰ دیباچۂ قرآن کے ہیں، آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہ کرامؓ اس سورت کو زیادہ تر اسی نام سے یاد کرتے تھے اور آج بھی مسلمانوں میں اس کا مشہور ترین نام یہی ''سورة الفاتحة'' ہے۔

عربی زبان میں ''فتح'' کا لغوی اطلاق دراصل مشکلوں، بندوشوں اور رکاوٹوں کے دور کرنے پر ہوتا ہے، چونکہ بندشوں کے دور ہوجانے اور مشکلوں کے چھٹ جانے میں کھل جانے کا مفہوم ہے، مثلاً بند دروازہ کھل گیا تو یہ دروازے کا ''فتح'' ہونا ہے، لڑائی میں کامیابی ہوئی اور رکاوٹیں دور ہوگئیں تو یہ لڑائی کی فتح ہے، غم دور ہوگیا اور راحت شروع ہوئی تو یہ فتح غم سے نجات کی ہوئی۔

غرض فتح کے معنی میں کھلنا بھی ہے، اسی فتح سے فاتحہ ہے اور فاتحہ کے معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے، یعنی وہ چیز جس سے کوئی شئی کھلے اور شروع ہو، اس طرح سورۂ فاتحہ کا نام فاتحہ رکھنے کی یہ وجہ قرار پائی ہے کہ جب وحی الٰہی کا بند دروازہ کھلا تو سب سے پہلے یہی سورت مکمل طور سے سامنے آئی۔

سورۃُ الصَّلوٰۃ: اس سورت کی اہمیت کا اندازہ تنہا صرف اس بات ہی سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ سورت سب سے بڑی عبادت نماز کی خاص دعاء اور سورۃ ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب ''اور اسی لئے صحابہ کرامؓ اسے سورۃ الصلوٰۃ کے نام سے بھی پکارتے تھے، یعنی وہ سورہ جس کے بغیر کامل طور سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی، روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

اُمُّ القُرآن ۔ و ۔ اُمُّ الکِتَاب: اسی طرح اس کیلئے ام القرآن اور ام الکتاب (یعنی مغز قرآن اور مغز کتاب) کا نام بھی استعمال ہوا ہے جو پہلے ناموں سے بھی زیادہ اس سورۃ کی اہمیت کو واضح کرنے والا ہے۔ عربی میں ''ام'' کا اطلاق ایسی تمام چیزوں پر ہوتا ہے جو ایک طرح کی جامعیت رکھتی ہوں یا بہت سی چیزوں میں مقدم (پہلے) اور نمایاں ہوں یا پھر کوئی ایسی اوپر کی چیز ہو جس کے نیچے اس کے بہت سے توابع (ماتحت) ہوں یا اس کو آسان طریقہ سے یوں سمجھئے کہ ام کہتے ہیں اس چیز کو جس کی طرف اس کے اطراف کی چیزیں پلٹ پلٹ کر آتی رہیں، ماں کو

بھی ام اس لئے کہتے ہیں کہ بچہ اسی کی طرف کھنچ کھنچ کر آتا ہے، مکہ کوام القریٰ کہا جاتا تھا کیونکہ خانۂ کعبہ اور حج کی وجہ سے عرب کی تمام آبادیوں میں مکہ مکرمہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، سر کے درمیانی حصہ کوام الرأس کہتے ہیں کیونکہ وہ دماغ کا مرکز ہے، فوج کے جھنڈے کوام کہتے ہیں کیونکہ تمام فوج اسی کے نیچے جمع ہوتی ہے۔

وحی الٰہی کا جوعلم دنیا میں آیا ہے اس کا بڑا حصہ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں پھیلا ہوا تھا اضافہ کے ساتھ وہی علم قرآن میں آیا، اس طرح قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا نچوڑ ہے اور قرآنی علوم کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے۔

بس اس سورت کوام القرآن یا ام الکتاب کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک ایسی سورت ہے جو اپنے اندر تمام قرآنی مطالب کو سمیٹی ہوئی ہے اور جو مطالب قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت رکھتی ہے، اس تشریح سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر جان لی تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ساری آسمانی کتابوں کی تفسیر جان لی، اور جس نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی تو گویا اس نے تورات، انجیل اور زبور اور قرآن مجید کی تلاوت کی۔

اس سورہ کوام القرآن اور ام الکتاب کہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں جو مطالب یا مضامین بیان ہوئے ہیں اگر ان کو سمیٹا اور مختصر کیا جائے تو وہ تین عنوانات کے تحت جمع کئے جاسکتے ہیں، توحید، رسالت اور آخرت، سورۂ فاتحہ ان تینوں عنوانات پر بنیادی رہنمائی کرتا ہے، یعنی اس میں اور قرآن کے بقیہ حصوں میں اجمال (مختصر) اور تفصیل کا سا تعلق ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں سورۂ فاتحہ میں انہیں کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے۔

عام طور پر انسان کی عادت ہے کہ وہ کسی بھی عظیم الشان اور وسیع چیز کا ایک مختصر اور چھوٹا سا نمونہ اور نقشہ بناتا ہے اور اس مختصر نمونہ اور نقشہ کے ذریعہ اپنے وسیع اور عظیم الشان عنوان کے سارے خاکوں کو ظاہر کرتا ہے جس کو وہ کانچ کے محفوظ خوبصورت کیس میں بند رکھ کر اپنے پورے مضمون کو سمجھاتا بھی ہے، مثلاً پوری دنیا کے ارضی اور سیاسی حالات کو اٹلس یا گلوب کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے جس کو ایک عام انسان بھی آسانی سے سمجھتا اور ذہن نشین کر لیتا ہے (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں)۔

بس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طبیعت کے مطابق قرآن کے مفصل بیانات جو تیس پاروں کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں ان کا ایک مختصر اور سیدھا سادہ خلاصہ سورۂ فاتحہ کی شکل میں انسانوں کو عطا فرما کر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے، یعنی وہ پورا شہرستان جو تیس پاروں میں پھیلا ہوا ہے اس کو مختصر کر کے ایک چھوٹے سے نگینہ میں دکھایا گیا ہے، اسے روزانہ عبادت کا لازمی جز قرار دے کر اس کی خصوصیت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا گیا ہے، غور کرنے پر اس میں ایک بہت بڑی حکمت و مصلحت پوشیدہ بھی نظر آتی ہے کہ قرآن کے مفصل بیانات جو تیس پاروں میں پھیلے ہوئے ہیں ان کا ایک مختصر اور سیدھا سادہ خلاصہ بھی ہو جو ہر عام انسان کو بہ آسانی سمجھ میں آ سکے اور ذہن نشین ہو سکے تا کہ انسان اس کو ہمیشہ اپنی عبادتوں اور دعاؤں میں دہراتا رہے، مسلم تو مسلم غیر مسلم بھی اس سورت کی حقیقت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے: ''حمد باری کی یہ زبردست مناجات، سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز، اس پر معنویت سے لبریز''۔ (جلد ۱۵، ص: ۹۰۳، طبع یازدہم)

آیئے اب غور کریں کہ اس سورۂ فاتحہ میں ہمیں کہاں کہاں توحید، رسالت و آخرت کے عنوانات پر رہبری ملتی ہے۔ اس کی ابتدائی آیتوں میں یہ بیان ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی حمد کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ ہی تمام جہاں کا پروردگار ہے اور روز جزاء کا اکیلا مالک ہے، چوتھی آیت میں صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت اور اسی سے مدد مانگنے کا اقرار کرایا گیا ہے، دراصل اسی میں توحید کا مضمون چھپا ہوا ہے، اس کی تیسری آیت میں ایک روز جزاء کی آمد کی طرف اشارہ در اصل آخرت کے مضمون کی طرف رہبری کرتا ہے، پانچویں آیت میں اصل دعاء ہے اور اس دعا ہی سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ انسان صراط مستقیم اور سیدھی راہ معلوم کرنے کیلئے نبوت اور رسالت کے سلسلے اور آسمانی ہدایت و شریعت کا محتاج ہے۔

اگر کوئی شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے صرف سورۂ فاتحہ کے مطالب کو ٹھیک سے ذہن نشین کر لے تب بھی وہ دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کر لے گا۔

سورۂ دُعاء: سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے جن میں سے تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور آخری تینوں آیتوں میں انسان کی طرف سے دعاء اور درخواست کا مضمون ہے جو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنی رحمت سے خود ہی انسانوں کو سکھایا ہے اور درمیانی ایک آیت میں دونوں

چیزیں مشترک ہیں، کچھ حمد وثناء کا پہلو ہے اور کچھ دعاء ودرخواست کا پہلو ہے۔

اس دعاء کی ابتداء اس ہستی کی تعریف سے کی جارہی ہے جس سے ہم دعاء مانگنا چاہتے ہیں یہ گویا اس بات کی تعلیم وتلقین ہے کہ جب بھی اپنے رب سے دعاء مانگو تو مہذب طریقہ سے مانگو، یہ کوئی تہذیب نہیں ہے کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کردیا، تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے دعاء کررہے ہو تو پہلے اس کی خوبیوں کا، اس کے احسانات اور اس کے مرتبہ کا اعتراف کرو اور اپنی وفاداری کا اعلان کرو، پھر اپنی غرض پیش کرو۔

اس میں دوسری تعلیم یہ دی گئی ہے کہ دعاء میں سب سے زیادہ کیا چیز مانگی جائے اور انسان سب سے زیادہ کس چیز کا محتاج ہے، اس سورت میں کسی مادی چیز کے لئے دعاء کی تعلیم نہیں دی گئی ہے بلکہ ایک عظیم الشان چیز کے لئے دعاء بتائی گئی ہے وہ ہے ہدایت کی دعاء جو مقاصد دین میں نہایت اہم اور کامل ترین مقصد ہے اور انسان ہر کام میں ہدایت کا محتاج ہے یعنی اس ہدایت کے لئے چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا انسان یہاں تک کہ نبی اور پیغمبر بھی محتاج ہیں، بس اس کو سورۂ دعاء اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ہدایت مانگنے کے لئے دعاء سکھائی گئی ہے۔

سورۃُ الشِّفَاء ۔ یا ۔ سورۂ شَافِیَة : اس سورۃ کا ایک نام سورۂ شفاء بھی آیا ہے، اس سورۃ میں انسان کے لئے ہر طرح کی شفاء رکھی گئی ہے یعنی جسمانی اور روحانی دونوں شفاء موجود ہیں ''ظاہری علاج بھی اور باطنی علاج بھی''۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے، امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ امراض دو طرح کے ہوتے ہیں، روحانی اور جسمانی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو بھی مرض بتایا ہے۔

سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص یہ دونوں سورتیں انسان کے لے کفر اور شرک سے شفاء پانے کے عظیم الشان نسخے ہیں، اگر کوئی انسان پورے شعور کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس کو بڑی بڑی روحانی بیماریوں (شرک، کفر، الحاد) اور ہر قسم کی گمراہیوں سے نجات اور شفاء ملتی ہے، جس نے اپنے گھر میں سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھ لی تو اس دن انسان اور جن کوئی تکلیف نہ پہنچاسکیں گے بلکہ وہ ان دونوں کے شرور سے محفوظ رہے گا۔

''ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ایک جگہ سے گذر رہی تھی اس مقام کے سردار کو

سانپ نے ڈس لیا تھا، اس علاقہ کے کسی آدمی نے آکر صحابہؓ سے کہا کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے آپ حضرات کچھ مدد کیجئے، صحابہؓ میں سے حضرت ابوسعید خدریؓ تشریف لے گئے اور ڈسے ہوئے حصہ پر سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ دیا، وہ سردار ٹھیک ہوگیا، پھر وہ خوش ہوکر ۳۰ر بکریاں تحفہ میں دیں، صحابہؓ میں سے کچھ حضرات کو یہ خدشہ گذرا کہ آیا یہ جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور کچھ ساتھیوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اسلئے ان بکریوں کو استعمال کئے بغیر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور سارا قصہ سنایا گیا، حضور اکرم ﷺ نے بکریوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی''۔ (بخاری: ۱/۳۰۴)

مفسرین کہتے ہیں کہ اگر کسی کو کچھ بھی یاد نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سورۂ فاتحہ تین بار پڑھ کر مریض پر دم کردے تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور فائدہ ہوگا، جیسا ہمارا یقین اور گمان ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائے گا۔

السَّبْعُ الْمَثَانِي: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے تعلق سے ارشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ (سورۂ حجر: ۸۷)

اور ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا۔

سبع مثانی میں سبع کا معنی ہے سات اور مثانی کا معنی ہے بار بار دہرائی جانے والی آیات، سورۂ فاتحہ کا نام سبع مثانی اس لے ہے کہ اس میں سات آیتیں ہیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دہرائی جانے والی سورت کہہ کر اس کے اندر کی خاص خصوصیت کی طرف اشارہ فرمادیا ہے یعنی اس سورت میں غیر معمولی خصوصیت اور کوئی خاص بات چھپی ہوئی ہے تب ہی تو مسلمانوں کو فرض نمازوں میں بھی پڑھائی جارہی ہے، سنتوں اور نفلوں میں بھی پڑھائی جارہی ہے یہاں تک کہ مسلمان شعور میں آنے سے لیکر مرنے تک پڑھتے رہتے ہیں، آخر غور کیجئے کہ اس میں کیا کیا خصوصیات اور کونسی کونسی خاص چیزیں چھپی ہوئی ہیں؟ جس کی وجہ سے نماز میں ایک بار نہیں بلکہ بار بار پڑھائی جارہی ہے اور کونسا اقرار اور عہد بار بار ہماری زبان سے کرایا جارہا ہے اور اس کو بار بار پڑھانے میں کیا حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے؟

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ

سورۂ فاتحہ کی نظیر نہ تورات میں نازل ہوئی اور نہ انجیل میں اور نہ زبور میں اور نہ خود قرآن کریم میں کوئی دوسری سورت اس کے مثل ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہیں حضور اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ کے راستہ میں میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھا، حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص سے نماز تہجد میں سورۂ فاتحہ کو پڑھتے سنا تو آخر فاتحہ تک متوجہ ہوکر سنتے رہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر اس جیسی کوئی اور سورت نہیں۔

سورۂ فاتحہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ مومن کبھی بھی اس کے بار بار دہرانے سے نہیں تھکتا۔

سُوْرَۃُ الْحَمْدْ: اس سورت کا ایک نام "سورۂ حمد" ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا پہلا لفظ کلمہ حمد ہے۔

سورۂ حمد اولیٰ: یعنی یہ سورت حمد کی سورتوں میں سے پہلی سورت ہے۔

سُوْرَۃٌ وَافِیَۃٌ: اس کو وافیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جملہ معانی قرآن اجمالاً موجود ہیں کیوں کہ وافیہ کا معنی ہے پورے طور سے لینے والی۔

سُوْرَۃٌ کَافِیَۃٌ: اس سورت کا ایک نام سورۂ کافیہ اس لئے ہے کہ یہ سورہ قرآن کریم کے سارے مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اجمالاً کفایت کرنے والی ہے۔

سُوْرَۃُ اَسَاسْ: سورہ اساس نام ہونے کے تین اسباب ہیں، (۱) قرآن کریم کی پہلی سورت ہے اس طرح یہ اساس یعنی بنیاد کی طرح ہے۔ (۲) یہ بلند اور عظیم ترین مقاصد پر مشتمل ہے اسلئے اس کو اساس کہتے ہیں۔ (۳) ایمان کے بعد سب سے اہم عبادت نماز ہے اور یہ سورہ ضروریات ایمان پر بھی مشتمل ہے اور اس کے بغیر نماز بھی مکمل نہیں ہوتی اسلئے اسے بنیاد کہا گیا ہے۔

سورۃُ الشُّکْر: اس کو سورۂ شکر اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل وکرم اور احسان کی حمد وثناء ہے، یہی محسن کی شکر گذاری ہے۔

سورۂ مناجات: اسلئے کہتے ہیں کہ بندہ اس سورۃ کے ذریعہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔

سورۃُ النُّور: اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سرچشمۂ نور وہدایت ہے۔

ایمان والے کا سورۂ فاتحہ کے ساتھ لگاؤ

ایک سلیم الفطرت انسان جب اس سورۃ کو پالے گا تو وہ دنیا کی ہر چیز بھول سکتا ہے مگر

سورۂ فاتحہ کونہیں بھول سکتا، اس کی صبح کا پہلا نغمہ یہی ہوگا اور اس کی شام کا پہلا ترانہ بھی یہی ہوگا، یہ وہ کلام ہے جس کو سمجھنے کے بعد ایک انسان صبح کے سورج کا چہرہ دیکھنا گوارا نہیں کرے گا جب تک کہ وہ سورۂ فاتحہ کے ذریعہ اپنے مالک اور پروردگار کو نہ پکار لے اور رات کی راحت اور آرام کے بستر پر اپنے جسم کو چین نہیں دے سکتا جب تک سورۂ فاتحہ کی صداؤں کے ساتھ اپنے محبوب ومحمود حقیقی مالک سے راز و نیاز کی باتیں نہ کرلے گا، گویا مومن وہ ہے جو صبح کی سفیدی دیکھتے ہی خدا کو پکارتا ہے اور رات کی تاریکی کو دیکھتے ہی نغمۂ فاتحہ سے اپنی روح کو سکون دیتا ہے، پس مومن کا دن شروع ہوتا ہے تو فاتحہ سے اور ختم ہوتا بھی ہے تو فاتحہ پر، عام انسانوں کی روزانہ زندگی کا آغاز غفلت سے ہوتا ہے اور شام بھی غفلت میں ختم ہوجاتی ہے لیکن مومن کی ہر صبح اسی سورت سے شروع ہوتی ہے اور دن اسی سورت پر ختم ہوتا ہے۔

کوئی شخص کتنا ہی نادان اور ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو مگر ان سات آیتوں کا یاد کرلینا اور ان کا سیدھا سادہ مطلب سمجھ لینا اس کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں، کوئی شخص اس سے زیادہ قرآن کریم میں سے جس قدر پڑھے اور سیکھے مزید معرفت الٰہی وبصیرت الٰہی کا ذریعہ ہوگا جہاں تک انسان کی خدا پرستی اور خداترسی کے تصورات کا تعلق ہے اس سے زیادہ سیدھی سادی باتیں اور کیا ہوسکتی ہیں؟ جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور پھر اس سے زیادہ آسان اور دل نشین سبق اور کیا ہوسکتا ہے؟

سات چھوٹے چھوٹے بول ہیں اور ہر بول چار پانچ لفظوں سے زیادہ کا نہیں اور ہر لفظ صاف اور دل نشیں معانی کا آئینہ ہے جو انگوٹھی میں نگینہ کی طرح جڑ دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف قبولیت کا اعلان

بندہ جب پورے شعور اور اخلاص کے ساتھ نماز میں اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے پاس شرفِ قبولیت پاتا ہے، اس کے اس پہلو پر ہم کو غور کرنا چاہئے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے اس کے لفظ لفظ کے اندر یہ تاثیر بھر دی ہے کہ بندے کی زبان سے لفظ ابھی نکلا ہی ہے کہ بارگاہ رب العزت سے سند قبولیت اس کو عطا ہوگئی۔

دعائیں اور بھی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں لیکن شاید کسی دعا کے متعلق اس تفصیل سے بتایا

ہو کہ اس سورت کے ایک ایک لفظ کا خود اس ذات پر کیا اثر پڑتا ہے جس سے یہ دعاء کی جاتی ہے اور کن لفظوں میں وہ اس کی قبولیت کی تصدیق کرتا ہے، اس کا اندازہ اس حدیث قدسی سے ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اس کا نصف حصہ میرے لئے ہے اور نصف میرے بندہ کے لئے ہے اور میرے بندہ کو وہ بخشا گیا جو اس نے مانگا۔ جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ o کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میرا شکر ادا کیا اور جب وہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف بیان کی ہے اور جب وہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی اور جب بندے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ o کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان مشترک ہے اور میں نے اپنے بندہ کو وہ بخشا جو اس نے مانگا، پھر جب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآ لِّيْنَ o کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میں نے اپنے بندہ کو وہ بخشا جو اس نے مانگا۔ (مسلم)

شیطان کبھی اتنا نہیں رویا جتنا تین دنوں میں رویا، ایک تو وہ دن جب وہ ملعون ہوا اور آسمانوں کے فرشتوں سے علٰحدہ کر دیا گیا اور دوسرے وہ دن جب حضور اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور تیسری بار اس دن رویا جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

اکثر مسلمانوں کی زندگی سورۂ فاتحہ کے برعکس

مسلمانوں کی اکثریت ہر روز سورۂ فاتحہ پڑھتی ہے مگر ان کی زندگیوں کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کے بالکل خلاف زندگی گذرا رہے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو سورۂ فاتحہ کا شعور ہی نہیں اور نہ وہ اس کی عظمت اور حقیقت سے واقف ہیں بس رسمی انداز سے بغیر سمجھے بے شعوری کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں، ان کی اکثریت کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں کتنی آیات ہیں اور ہر آیت میں کیا سبق دیا جا رہا ہے؟ کیا دعا کرائی جا رہی ہے اور

وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر کیا اقرار اور عہد کر رہے ہیں؟ قول سے ہر روز ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کے ذریعہ اقرار کر رہے ہیں مگر عمل سے سورۂ فاتحہ کے بالکل خلاف زندگی گذارتے ہوئے نظر آتے ہیں، مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کے ذریعہ قول سے اللہ کو رب مانتے مگر عمل اسباب سے پلنے کا یقین ظاہر کرتے ہیں، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ذریعہ اللہ کی رحمت کا اقرار کرتے مگر عملی زندگی میں اللہ کی رحمت کا غلط اندازہ لگا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے ذریعہ ہر روز آخرت میں جواب دہی اور اچھے برے اعمال کی جزا کا اقرار کرتے ہیں مگر مسجد سے باہر نکلتے ہی ایسے کام کرتے ہیں جیسے انہیں کبھی مرنا ہی نہیں ہے، رشوت بے ایمانی، دھوکہ بازی اور گھوڑے جوڑے کی رقمیں لے کر مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی پوری خلاف ورزی کرتے ہیں، اسی طرح اللہ ہی کی عبادت اور اسی سے مدد مانگنے کا اقرار کر کے وفاداری کا اعلان کرتے ہیں مگر نماز کے بعد والی زندگی میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف شیطان کی اطاعت کرتے اور غیر اللہ سے تندرستی، بیٹا بیٹی، نوکری، منت مرادیں مانگ کر اپنے ہی عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں، پھر بار بار اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا مانگ کر جان بوجھ کر ہدایت والی زندگی کے خلاف یہود و نصاریٰ کی زندگیوں کو اپناتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی سنتوں کے مقابل یہود و نصاریٰ کے طریقوں کو پسند کرتے ہیں۔

غور کیجئے کہ اگر مسلمانوں کی یہ حالت رہی تو پھر وہ سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے باوجود اس کی برکتوں سے کیا فائدہ اٹھا سکیں گے؟ سورۂ فاتحہ کے خلاف زندگی گذارنا تو حقیقت میں پورے قرآن کے خلاف زندگی گذارنا ہے اور سورۂ فاتحہ سے غفلت گویا پورے قرآن سے غفلت ہے۔

پس سورۂ فاتحہ ایک عہد نامہ ہے جو ہر روز مومن اللہ کے سامنے ٹھہر کر کرتا ہے اور اگر اس کی زندگی اس عہد کے خلاف ہوگی تو وہ خود اس پر گواہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ صبح سے شام تک ہر نماز میں یہ سورت پڑھوا کر گویا غافل انسانوں کو بیدار کرانا چاہتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَo

(تمام تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے)

''حمد'' کے معنی ہیں تعریف اور شکر کے ''ال'' یعنی تمام ''اَلْحَمْدُ'' یعنی تمام تعریف اور شکر یا ہر قسم کی تعریف اور شکر۔ ''لِلّٰہِ'' ''لِ'' کے معنی ہیں لئے، لِلّٰہِ کے معنی ہوئے اللہ کے لئے۔ رب پرورش کرنے والا ''الْعَالَمِیْنَ'' عالم کی جمع ہے، عربی زبان میں عالم کے معنی جاننے کا آلہ ہے، یہاں مراد ہے دنیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

الحمدُ لِلّٰہِ کے معنی یہ ہیں کہ ہر تعریف اور شکر کے لائق اللہ ہی کی ذات ہے یعنی کائنات میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے، یہ بات صرف اتنی ہی نہیں کہ تعریف اللہ ہی کے لئے بلکہ تعریف کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

الحمد للہ کی خصوصیات

حدیث صحیح میں ہے کہ الحمدللہ سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جائے گا۔

ابن ماجہؒ نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ اس پر الحمدللہ کہے تو جو کچھ اس نے لیا ہے اس سے افضل چیز دیدی۔ (ص:۲۷۰)

حضرت بیہقیؒ نے اس حدیث کی وضاحت میں لکھا ہے کہ حمد وشکر کی توفیق اور دوسری نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہیں، حمد وشکر کی توفیق بھی ایک نعمت ہے اور یہ نعمت دوسری تمام نعمتوں سے افضل ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی جو مدح وثناء ہے وہ دوسری نعمتوں میں نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''ساری دنیا کی نعمتیں کسی ایک شخص کو حاصل ہو جائیں اور وہ اس پر الحمدللہ کہہ لے تو یہ الحمدللہ دنیا کی ان تمام نعمتوں سے افضل ہے۔

قرطبیؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ الحمدللہ زبان سے کہنا بھی

اللہ ہی کی ایک نعمت ہے اور یہ نعمت ساری دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے، انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ خود اپنی یا کسی اور انسان کی حمد وثناء بیان کرے، صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء انسان کا فرض ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل حمد وثناء صرف اسی کی ذات قدوس کے ساتھ مخصوص ہے اس کے سوا کائنات میں سے کسی کی حقیقی حمد وثناء نہیں کی جاسکتی۔

کیا مسلمان اللہ تعالیٰ کی تعریف سمجھ کر کر رہے ہیں؟

مسلمان دن اور رات میں ہزاروں مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھتے رہتے ہیں مگر ان کی بڑی تعداد ان کلمات کے معنی ومفہوم سے بالکل واقف ہی نہیں، جب ان سے ان الفاظ کا معنی ومطلب پوچھا جاتا ہے تو وہ بتانے سے مجبور نظر آتے ہیں اور جن کو معنی معلوم ہے وہ بس یہ کہتے ہوئے کہ اللہ پاک ہے اور تعریف کے لائق ہے، بے شعوری کے ساتھ ان کلمات کو پڑھتے رہتے ہیں، ان کو قطعی یہ معلوم نہیں رہتا کہ اللہ کس چیز سے پاک ہے اور وہی تعریف کے لائق کیوں ہے؟ یعنی ان کو قطعی یہ نہیں معلوم رہتا کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کو کس شعور کے ساتھ پڑھنا چاہئے حالانکہ یہی کلمات ہر مسلمان کو بنیادی طور پر سوم کلمہ میں پڑھائے اور یاد دلائے جاتے ہیں اور پھر سبحان اللہ کو نماز کی ہر رکعت کے رکوع اور سجدہ میں اور الحمد للہ کو سورۂ فاتحہ کے ذریعہ ہر روز نماز کی ہر رکعت میں بار بار پڑھایا جارہا ہے مگر اس کے باوجود مسلمانوں کی بڑی تعداد کو اللہ کی پاکی اور اس کی خوبیاں اور کمالات ہی نہیں معلوم، بس وہ بغیر سمجھے اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور ان کلمات کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آج مسلمانوں کی اکثریت کے ایمان میں صحیح شعور نہیں اور وہ صرف رسمی ایمان رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نسلیں ایمانی اعتبار سے کمزور سے کمزور ہوتی جارہی ہیں، غور کیجئے کہ دنیا میں جب کوئی انسان کسی چیز کی تعریف کرتا ہے تو اس کے حسن یا اس کے کمال یا اس کے اخلاق واحسانات کو دیکھ کر تعریف کرتا ہے، بغیر سمجھے تعریف نہیں کرتا، زبردستی تعریف نہیں کرتا اور جب کوئی سمجھ کر تعریف کرتا ہے تو وہ تعریف دل کی گہرائیوں سے ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ہر روز نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھ کر الحمد للہ کے ذریعہ جو اللہ کی تعریف کر رہے ہیں کیا وہ تعریف سمجھ کر کر رہے ہیں یا بغیر سمجھے؟ کیا ہم نے کبھی اللہ تعالیٰ

کی قدرت اس کے کمالات اور خوبیوں اور اس کے احسانات واخلاق کو جاننے اور واقف ہونے کی کوشش کی؟ اور کیا ہماری طرف سے یہ تعریف اور شکر دل کی گہرائیوں سے ہو رہی ہے یا صرف رسمی انداز سے کی جارہی ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک فقیر جب کسی دولت مند آدمی سے پیسے مانگتا ہے تو رسمی انداز سے اس کی تعریف کرتا ہے بادشاہ کے درباری بادشاہ کے سامنے مطلب اور غرض کی خاطر جھوٹی اور زبردستی کی تعریف کے پل باندھتے ہیں اسی طرح ایک طوطے کو سکھانے پر کہ وہ بس یوں کہتا رہے میرا مالک اچھا ہے، اسی طرح مسلمان بھی کہے تو کیا یہ حقیقی تعریف ہوگی؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو دنیا میں اس لئے پیدا کیا کہ آپ اللہ کی ''حمد'' بغیر سمجھے کرتے رہیں؟

ہماری اس حالت کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہم اللہ کی قدرت سے صحیح واقف ہیں اور نہ اس کی طاقت اور کمالات سے اور نہ اس کے احسانات وانعامات سے۔ صرف رسمی انداز سے تعریف اور شکر ادا کرتے رہنا حقیقی تعریف نہیں بلکہ اللہ کی تعریف اور شکر ادا کرنے کے لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ اللہ کا تعارف اس کے احسانات وانعامات کو جاننا اور ماننا ہوگا۔

اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں حَمْد کے الفاظ نہیں

یہ اللہ جل شانہ کا انسانوں پر عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو اپنی تعریف کے الفاظ سکھائے ورنہ انسان کے پاس اس کی استعداد ہی نہیں تھی کہ وہ اللہ کی حمد وثناء بیان کر سکے اور کسی کی کیا مجال کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد وثناء بیان کر سکے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی حمد وثناء کا طریقہ انسانوں کو سکھایا اور سوائے اسلام کے دنیا کے دوسرے تمام مذاہب میں اللہ کے حمد کے الفاظ ہی نہیں یا ہیں بھی تو صحیح نہیں حالانکہ دوسری تمام قومیں اللہ کو کسی نہ کسی صورت میں ضرور سب سے بڑا مانتی ہیں مگر وہ اللہ کی تعریف کرنا نہیں جانتیں اور نہ ان کے پاس تعریف کے صحیح الفاظ ہیں۔

ایک مسلمان نے اپنے غیر مسلم دوست سے سوال کیا کہ بھائی آپ اپنے پیدا کرنے والے کو تو سب سے بڑا مانتے ہیں ذرا اس کی تعریف تو بیان کیجئے غیر مسلم نے اس سوال کو سن کر تعجب سے پوچھا تعریف سے کیا مراد ہے؟

مسلمان نے کہا کہ آپ دنیا میں مختلف چیزوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں اگر میں آپ سے کہوں کہ آگ یا برف کی تعریف کیجئے ان کی خوبی اور کمالات کو بیان کیجئے تو آپ فوراً کہیں گے کہ آگ لال ہوتی ہے، گرم ہوتی ہے جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے جو بھی اس کے قریب ہو اس میں اپنی حرارت داخل کر کے اس کو بھی گرم کر دیتی ہے اور اس سے انسان اپنی غذا تیار کرتا ہے وغیرہ وغیرہ، اسی طرح برف کے تعلق سے آپ کہیں گے کہ برف سخت ہوتی ہے، ٹھنڈی ہوتی ہے جس چیز پر رکھو اس کو سرد کر دیتی ہے، پانی کو انتہائی ٹھنڈا کر دیتی ہے وغیرہ وغیرہ، بس جب ہم دنیا کی چیزوں کو جانتے ہیں تو ان کی خوبیاں اور کمالات بیان کرتے ہوئے ان کی تعریف کرتے ہیں اسی طرح جب آپ اپنے پیدا کرنے والے کو (God) یا ایشور کے نام سے مانتے ہیں تو اس کی تعریف بھی بیان کیجئے۔

غیر مسلم نے اللہ کی تعریف بیان کرنے سے مجبوری ظاہر کی اور وہ کیا بیان کرتا ان کے پاس تعریف کے الفاظ ہی نہیں، اگر ان کو اللہ کی خوبیاں اور کمالات سمجھا کر تعریف یاد دلائی جائے تو پھر یکا یک ان کا شرک ان سے دور ہو سکتا ہے، مسلمان نے کہا میں اپنے پیدا کرنے والے کو مانتا ہوں اور اس نے ہم کو اپنی تعریف کرنا بھی سکھایا، پھر اس نے اپنی یہ تعریف سکھائی ہے۔

اللہ ایک ہے وہی عبادت کے لائق ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ، وہ بیٹا بیٹی اور رشتے ناطوں سے پاک ہے، وہ اکیلا تھا، اکیلا ہے، اکیلا رہے گا، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ ہر مخلوق کا اکیلا خالق، رب اور مالک ہے، وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، وہ ہر ایک کو روزی دیتا ہے، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، اس کو نیند نہیں آتی اور نہ اونگھ، اس کو کوئی حاجت نہیں وہ ہر قسم کی محتاجی سے پاک ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں سن کر وہ غیر مسلم بھائی بہت متاثر ہوا۔

اللہ تعالیٰ تعریف کا محتاج نہیں ہے

اللہ تعالیٰ اپنی پہچان اور اپنا تعارف کراتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ساری تعریف اور شکر کے لائق اللہ ہی ہے جو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے، حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ سب سے بڑا اور سب سے اچھا ہے، اس جیسا کوئی نہیں، وہی تعریف کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ تعریف کا محتاج نہیں وہ صمد ہے اور ایسا بھی نہیں کہ ہم تعریف کریں تو اللہ میں کوئی خوبی اور کمال بڑھ جائے بلکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور

ہر حال میں حمید ہے، ہر مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ بہر صورت تعریف کے قابل ہے چاہے کوئی تعریف کرے یا نہ کرے، اگر دنیا کے سارے انسان آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک اللہ کی تعریف نہ بھی کرتے تب بھی اللہ کی ذات میں کوئی کمی اور نقصان نہیں آتا اور سارے انسان زندگی بھر اللہ کی تعریف کرتے ہوئے سجدے میں گرے رہتے، تب بھی اللہ کی ذات کی شان اور بزرگی میں کوئی زیادتی اور کمال نہیں آتا، اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، اگر دنیا کے سارے انسان مل کر زندگی بھر اللہ کی تعریف کرنا چاہیں اور دنیا کے تمام درختوں اور لکڑیوں کو قلم بنالیں اور ساتوں سمندروں کے پانی کو سیاہی بنالیں تو سمندروں کا پانی ختم ہوجائے مگر اللہ تعالیٰ کی خوبیاں اور کمالات اور قدرت کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

گمراہی کے ناپاک اور گندے عقیدوں سے پاک رہنے کیلئے ''حمد'' بیان کرنا ضروری ہے

دنیا کے مشرک انسانوں کے عقیدوں پر غور کیجئے کہ انہوں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر اپنی جیسی یا دوسری مخلوقات جیسی حاجتوں، ضرورتوں محتاجیوں، عیبوں، عروج وزوال اور مختلف قسم کے نقائص کو خدا کے ساتھ جوڑ دیا اور اللہ کے مختلف کمالات، خوبیوں اور صفات کو مخلوقات کی طرف منسوب کر کے اللہ کے ساتھ گندہ اور ناپاک عقیدہ قائم کرلیا، مثلاً کئی کئی خداؤں کا تصور قائم کرلیا یا خدا کے ساتھ بیٹا بیٹی اور بیوی جیسے رشتے ناطے قائم کر کے اہل وعیال کا تصور قائم کردیا اور کہیں اپنے جیسا جسم وشکل وصورت، ہاتھ پیر کی محتاجی لگا کر کھانے پینے کا تصور قائم کر کے پوجا پاٹ میں میوے اور مٹھائیاں رکھ دیں اور کہیں بچپن جوانی اور بڑھاپا جیسے عروج وزوال لگا دیئے یا پھر مخلوقات میں بھی اللہ جیسی قدرت خوبیاں اور کمالات کو نسبت دے کر کسی سے بارش برسانے، کسی سے روشنی اور گرمی دینے اور کسی کو غلہ اور اناج اگانے اور کسی کو پیدا کرنے اور کسی کو مارنے یا صحت وتندرستی دینے والا وغیرہ وغیرہ کے تصورات قائم کرلئے، انسانوں کی یہ حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل واحسان سے انسانوں کو اپنی حمد اور پاکی بیان کرنے کے ایسے کلمات سکھائے کہ جن کو شعور کے ساتھ زبان پر لاتے ہی خود بہ خود ہر قسم کی گندگیوں سے انسان کا عقیدہ پاک ہوجاتا ہے اور ہر قسم کی خوبیوں، قدرت اور کمالات کا اعتراف ہوجاتا ہے وہ ہیں سبحان اللہ اور الحمد للہ۔

دنیا میں عام طور پر انسان کسی کے کمال، جمال اور نوال سے متاثر ہوکر دو طرح سے تعریف کرتا ہے، ایک عیبوں اور نقائص کی نفی کر کے، دوسرا خوبیوں اور کمالات کا اعتراف کر کے، مثلاً فلاں شخص غصہ نہیں کرتا، گالی نہیں دیتا، جاہل نہیں ہے، ان پڑھ نہیں ہے، کنجوس نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ ایک قسم کی تعریف ہے جس میں برائیوں اور عیبوں سے نفی کی جارہی ہے، اسی طرح تعریف کا دوسرا انداز یہ ہوتا ہے کہ فلاص شخص رحم دل ہے، انصاف پسند ہے، امانت دار ہے، عقلمند ہے، محبت کرنے والا ہے، اس میں خوبیوں اور کمالات کا اعتراف کر کے تعریف کی جارہی ہے۔ (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں)

اب ذرا غور کیجئے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ میں انسان کس بات کا اقرار کررہا ہے اور ان کلمات سے اس کے عقیدہ پر کیا اثر پڑ رہا ہے، سبحان اللہ کے معنی ہیں اللہ پاک ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز سے اللہ پاک ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اللہ پاک ہے ہر قسم کے شرک سے، ہر قسم کی حاجت اور محتاجی سے اور ہر قسم کے عیب، نقص اور زوال سے اور ہر قسم کی پستی سے اور ان تمام عیبوں سے اور نقائص سے جو بندہ جانتا ہے اور ان تمام عیبوں اور نقائص سے پاک ہے جن کو بندہ جانتا ہی نہیں، گویا سبحان اللہ کے ذریعہ سارے عیبوں اور نقائص کی نفی کرتے ہوئے انسان یہ گواہی دے رہا ہے کہ اللہ بیٹا بیٹی، بیوی بچے جیسے رشتے ناطوں اور کھانے پینے، سونے جاگنے، مخلوقات کی طرح جسم وصورت، ہاتھ پیر جیسی حاجتوں اور محتاجیوں سے پاک ہے، وہ کسی کی مدد اور شرکت کا محتاج نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اسی طرح انسان الحمد للہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تمام خوبیوں اور کمالات کا اقرار کر کے اسی کو تعریف اور شکر کے لائق مانتا ہے یعنی اس جیسی ربوبیت کوئی نہیں کرسکتا، اسی کی جیسی تخلیق کوئی نہیں کرسکتا، اس جیسا رحم کوئی نہیں کرسکتا، اس جیسی طاقت کسی کے پاس نہیں، اس جیسی قدرت کسی کے پاس نہیں اور اس جیسی شان کسی کی نہیں، وہی اکیلا معبود ہے اس لئے وہی تعریف اور شکر کے لائق ہے، گویا سبحان اللہ اور الحمد للہ کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور پاکی بیان کرتا ہے۔

حقیقی ''حمد'' صرف اللہ کی بیان کی جاسکتی ہے، انسان کی حمد نہیں کی جاسکتی، انسان چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اس میں احتیاج، کمزوریاں، نقائص اور زوال ضرور ہوتا ہے، ہر قسم کے

عیبوں سے پاک اور ہر قسم کی خوبیوں کا حامل تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اسی لئے اسی کی حمد بیان کی جاتی ہے، اس کے علاوہ کسی کی حمد نہیں کی جاسکتی۔

حمد کے ذریعہ مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے اور توحید کا اقرار ہوتا ہے

عربی میں ''حمد'' ثناء جمیل کو کہتے ہیں یعنی اچھی صفتوں کی حسن وخوبی کے ساتھ تعریف کرنے کو، اگر کسی کی بری صفتیں بیان کی جائیں تو وہ حمد نہیں ہوگی، ثناء جمیل یعنی تعریف اسی کی کیجاتی ہے جس میں اس کا اپنا ذاتی کمال، جمال اور نوال (اخلاق واحسانات) ہوں، دنیا میں کسی کے پاس کمال ہے تو جمال نہیں اور جمال ہے نوال نہیں اور نوال ہے تو کمال نہیں اور وہ بھی عطائی اور ناقص ہے، صرف اللہ ہی کی ذات ہے جس میں کمال بھی ہے جمال بھی ہے اور نوال بھی، اور وہ بھی اس کا اپنا ذاتی ہے، اسی لئے تعریف وشکر کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور پھر اس تعریف کے ساتھ خوف ودہشت کا تصور جمع نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر انسان کو کسی سے خوف اور دہشت ہو تو وہ اس کی حمد وثناء یعنی تعریف نہیں کرتا اور جس سے خوف نہیں ہوگا انسان اسی کی تعریف کرے گا، جو ذات محمود ہوگی یعنی بے انتہا تعریف کی لائق ہوگی وہ خوفناک نہیں ہوسکتی۔

الحمد للہ کے معنی یہ ہوئے کہ حمد وثناء میں جو کچھ اور جیسا کچھ بھی کہا جاسکتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہے کیونکہ کائنات کی جن جن چیزوں میں جو بھی خوبیاں اور کمالات نظر آرہے ہیں وہ سب اسی سے ہیں۔ دنیا میں ہزاروں حسین مناظر، لاکھوں دلکش نظارے اور کروڑہا نفع بخش چیزیں انسان کے دل کو ہر وقت اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں اور اپنی تعریف پر مجبور کرتی ہیں، اگر ذرا نظر کو گہرا کیا جائے تو ان سب چیزوں کے پیچھے ایک ہی ذات نظر آئے گی۔ مثلاً اگر ہم کسی چیز کی تعریف کریں جیسے کسی نقش ونگار کی یا کسی صنعت کی تو ان سب تعریفوں میں درحقیقت نقاش، مصور اور صنعتکار ہی کی تعریف کی جاتی ہے، بس اسی طرح کائنات کے اندر جو بھی کمال یا خوبی اور حسن نظر آرہا ہے تو اس تعریف کا مستحق صرف خالق کائنات ہے نہ کہ وہ چیز۔ مثلاً سورج میں اگر کوئی کمال نظر آرہا ہے تو یہ سورج کا کمال نہیں اللہ کا کمال ہے، جانوروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں میں کوئی حسن وخوبصورتی ہے تو یہ ان کا اپنا ذاتی حسن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ودین ہے۔ الحمد للہ کا

نوٹ:۔ سبحان کو تفصیل سے سمجھنے کیلئے ہماری کتاب ''اللہ کی پاکی اور بڑائی شعور کے ساتھ بیان کرنے کا طریقہ'' پڑھئے۔

اعتراف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ کائنات کا تمام فیضان و جمال خواہ کسی گوشے اور کسی شکل میں ہو صرف خالق حقیقی کی کاریگری اور صفتوں کا ظہور ہے، قرآن پاک کے اس مختصر سے ابتدائی جملے میں حق تعالیٰ جل شانہ کی حمد وثناء کا بیان تو ہے ہی اسی کے ساتھ مخلوقات کی رنگینیوں میں الجھے ہوئے دل ودماغ کو اصل حقیقت کی طرف متوجہ کر کے مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی اور مخلوقات سے کاٹ کر خالق سے جوڑ دیا گیا اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ توحید کا اقرار الحمدللہ کے الفاظ میں کرایا جارہا ہے۔

سورہ کی ابتدا ''حمد'' سے کیوں ہورہی ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورت کی ابتداء لفظ ''حمد'' سے کیوں کی گئی، اس سوال کا جواب پانے کے لئے سوچئے کہ انسان کے لئے اللہ کو پہچاننے کی راہ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ کائنات کی خلقت میں تفکر وتدبر سے کام لینا، ایک سچا اور سلیم الفطرت انسان جب اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو سب سے پہلی حالت جو اس کے دل ودماغ پر طاری ہوگی اور وہ کلمہ جو اس کی زبان سے جاری ہوگا وہ قدرتی طور پر وہی ہوگا جو الحمدللہ میں ہے یعنی انسان اگر کائنات میں غور وفکر کرے گا تو کائنات میں خدا کی قدرت کے کمالات اور خداداد خوبصورتی وحسن اور اس کی صنعتکاری سے متاثر ہوگا تو اس کے دل ودماغ پر سب سے پہلے تعریف کے کلمات کی شکل میں الحمدللہ ہی نکلے گا، مثلاً جب ہم کسی جنگل یا دریا یا سمندر کے کنارے قدرت کے خوبصورت اور حسین مناظر کو دیکھتے ہیں یا کسی باغ میں خوبصورت خوشبودار رنگ برنگ کے پھولوں اور پتوں کا نظارہ کرتے ہیں یا مختلف بولی بولنے والے پرندوں اور جانوروں کو دیکھتے اور ان کی آوازیں سنتے ہیں یا کسی باغ کے مزیدار پھل کھاتے ہیں یا کسی انسان میں عمدہ صلاحیتیں دیکھتے ہیں تو فطری طور پر سب سے پہلا جو کلمہ ہماری زبان پر آتا ہے وہ تعریف ہی کا ہوتا ہے، یعنی پہلی حالت جو ہماری فکر اور وجدان پر طاری ہوگی وہ قدرتی طور پر وہی ہوگی جسے ''حمد'' سے یہاں تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک درخت اور اس کے پھل اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا آلہ ہیں مگر درخت کو اپنی معنویت اور مقصد کا شعور نہیں اور نہ اپنے پھل کے مزے کا احساس ہے، ایک پھول نفاست، لطافت اور صنعتکاری کا زبردست شاہکار ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفتوں کا زبردست اظہار ہے مگر کوئی پھول اپنی

ربوبیت کی تفصیل جاننے کے لئے ہماری کتاب ''صفات الٰہی خالق رب حاکم قادر'' پڑھئے۔

اس خصوصیت کو نہیں جانتا، ایک پرندہ بے حد حسین وجود اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا ذریعہ ہے مگر کسی چڑیا کو اپنے حسن کا احساس نہیں، یہی حال دنیا کی تمام چیزوں کا ہے، دنیا کی ہر چیز حسین ترین آرٹ کا انتہائی کامل نمونہ ہے مگر کسی چیز کو بھی اپنی اس حیثیت کا کوئی علم نہیں۔

غور کیجئے کہ پھر حسن و لطافت اور صنعتکاری سے بھرپور یہ نمائش گاہ کس کے لئے سجائی گئی ہے؟ کون ہے جو اس کے بنانے والے کی تخلیق اور اس کے پالنے والے کی ربوبیت اور اس کے رحم و عدل سے متاثر ہوسکتا ہے اور اس کی مصوری کا اعتراف کرسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہ انسان اور جن ہیں جن کے لئے یہ پوری کائنات تیار اور آراستہ کی گئی ہے اور تمام کائنات میں انسان و جن ہی ایسی مخلوق ہیں جو کسی چیز کے حسن و کمال اور اخلاق کو دیکھتے اور سمجھتے اور اس کی خوبیوں کو محسوس کر کے اس کی داد دے سکتے ہیں اور اس کے کمال کو جان سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کرانے کے لئے اپنی تخلیق، اپنی ربوبیت اور اپنی رحمت اور اپنے عدل و احسان اور اپنی قدرت، اپنی مصوری، اپنی حکمت کو ظاہر کر کے ایک انتہائی حسین اور خوبصورت آرٹ دنیا کی شکل میں انسان کے لئے بنایا ہے اور پھر انسان کو اس کی پرکھ اور فہم دے کر اس کو زبان بھی عطا کی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حسین تخلیق اور کاریگری کے کمالات اور خوبیوں کو دیکھ کر جھوم اٹھے اور اپنی زبان سے اپنے خالق و مالک ہی کو مان کر اسی کی توحید کا اقرار کرے اور اسی کا گانا گائے، بس اسی کا نام حمد یا خدا کی تعریف ہے، گویا حمد انسان کے اعلیٰ ترین جذبات کا وہ نذرانہ ہے جو خدا کے سامنے پیش ہونے کیلئے سب سے پہلے اس کی زبان پر ظاہر ہوتا ہے، ''حمد'' یہ ہے کہ ایک شخص اللہ کی کاریگری کو دیکھے اور اس کے کمالات و خوبیوں کو محسوس کر کے تڑپ اٹھے اور پھر اس کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل پڑے کہ خدایا! بیشک ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے، تو پاک اور برتر ہے، خدایا تو مجھے اقرار کرنے والوں میں لکھ لے اور مجھ کو ان لوگوں میں سے نہ بنا جن کو تو اندھی حالت میں اٹھائیگا کیونکہ انہوں نے تیرے حسن کو دیکھ کر بھی نہیں دیکھا اور تیرے کمالات اور خوبیوں اور احسانات کو پا کر بھی انکا اعتراف نہیں کیا، اللہ کو چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے اس طرح یاد کرنے کا نام ''حمد'' ہے خواہ کہنے والا اپنے کلمات کو عربی زبان میں کہے یا کسی دوسری زبان میں۔

لیکن افسوس ہے کہ انسان کائنات کی مختلف چیزوں کا ہر روز نظارہ کرتا اور ان کو استعمال

کرتا ہے مگر ان میں غور وفکر نہیں کرتا بس بے شعوری کے ساتھ الحمدللہ کہتا ہے، اگر انسان رات دن اٹھتے بیٹھتے خدا کی قدرت پر غور فکر کرے گا تو اس کو ہر چیز میں اللہ کی قدرت ہی قدرت اور اللہ کا کمال ہی کمال اور کاریگری ہی نظر آئے گی اور پھر بے ساختہ وہ پکار اٹھے گا کہ بیشک تعریف اور شکر کے لائق صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جو لوگ جنت کی طرف بلائے جائیں گے وہ صالحین ہوں گے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

آخر مخلوقات ''حمد'' کی لائق کیوں نہیں؟

ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ انسان اللہ کے علاوہ دنیا میں بہت سی چیزوں سے متاثر ہوکر ان کی تعریف کرتا ہے جیسے کسی انسان کے اخلاق و احسانات کو دیکھ کر یا انسانوں کے کارناموں اور کمالات سے متاثر ہوکر ان کی تعریف کرتا ہے، دنیا میں مختلف لوگ سائنسدان، انجینئر اور ڈاکٹر کی شکل میں کام کرتے ہوئے اپنے اپنے شعبوں سے اہم اہم ایجادیں کرتے رہتے ہیں، کسی نے بجلی ایجاد کی، کسی نے ٹیلی ویژن ایجاد کیا اور کسی نے کمپیوٹر ایجاد کیا، کسی نے تیز رفتار سواریاں، موٹر، ریل اور ہوائی جہاز ایجاد کئے، کسی نے عجیب عجیب آلے اور مشینیں ایجاد کیں اور دنیا کے عام انسان ان کی سائنسی ترقی اور ایجادات پر حیرت اور تعجب کرتے ہوئے بے ساختہ ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے رہتے ہیں، اسی طرح دنیا کے بہت سارے انسانوں میں سخاوت، رحم دلی، انصاف، ہمدردی ومحبت، ایثار وقربانی جیسے اخلاق کو دیکھ کر ان کی بھی تعریف اور شکر کے پل باندھے جاتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان تمام لوگوں کی تعریف نہ کی جائے؟ اور اگر ان کی بھی تعریف درست ہو تو دوسری طرف قرآن اللہ کا تعارف کروا کر یہ اعلان کیوں کر رہا ہے کہ ساری تعریف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے سزاوار ہے، آخر اللہ نے یہ کیوں کہا کہ وہی تعریف اور شکر کے لائق ہے؟

اس راہ میں فکر انسانی کی سب سے بڑی گمراہی یہ رہی کہ انسان کی نظریں صرف مصنوعات

کے ظاہری جلووں ہی میں گم ہوکر رہ جاتی ہیں، آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں، دنیا میں مخلوقات کی پرستش کی بنیاد بھی اسی تنگ نظری سے پڑی اور مشرک انسانوں نے نے ظاہری پردوں کے نقش و نگار یا ان کے بظاہر کمالات وخوبیوں کو دیکھ کر اسی چیز کو سب کچھ سمجھا اور فکر ونظر کو وسعت دے کر یہ جستجو نہیں کی کہ کون ہے جو اپنی کاریگری اور تخلیق اور مصوری اور صنعت کاری کے دل نشیں اور متاثر کن جلوے ان چیزوں میں ڈال رکھے ہیں اور اپنی تخلیق کو ان چیزوں سے ظاہر کر رہا ہے۔

انسان یا دوسری مخلوقات اگر کوئی قابل تعریف کارنامہ انجام دیں تو یقین جانئے کہ اس کارنامہ کی تعریف کا حقیقی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اسلئے کہ دنیا میں جہاں کہیں جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی خوبی اور کوئی حسن اور کوئی کمال ہے تو وہ کسی انسان، کسی فرشتے، کسی دیوی دیوتا یا کسی سیارے یا کسی سائنسداں، ڈاکٹر، انجینئر کا کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور دین ہے جو اس چیز سے ظاہر ہو رہا ہے۔ مثلاً مرغی سے انڈا نکلتا ہوا دیکھ کر کوئی بھی مرغی کی تعریف نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے، بھینس کو دودھ دیتا ہوا دیکھ کر کوئی بھی بھینس کی تعریف نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے، درختوں سے پھل نکلتا ہوا دیکھ کر کوئی بھی درختوں کی تعریف نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے تو پھر ایک سائنسدان سے کمپیوٹر یا بجلی یا ریل اور ہوائی جہاز کو ایجاد کرتا ہوا دیکھ کر یا کسی میں سخاوت، ہمدردی ومحبت کو دیکھ کر اس انسان کی اصل تعریف کیسے درست ہوگی؟ اصل تعریف کا مستحق تو صرف اللہ ہے، ذرا نظر کو وسیع اور گہرا کیجئے تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوگی کہ اگر اللہ تعالیٰ سائنسدان کو دماغ نہ دیتا اور اس دماغ میں علم اور غور وفکر کی صلاحیت نہ دیتا اور سائنسدان کیلئے اسباب مہیا نہ کرتا تو یہ سائنسدان سائنسی ترقی کیسے اور کہاں سے حاصل کرتا اور کوئی چیز کیسے ایجاد کرتا؟

سائنسدان کی حالت پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ مجبور اور محتاج ہے بغیر دماغ بغیر علم اور بغیر اسباب کے کچھ بھی نہیں کرسکتا، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کمال ہے کہ اس نے سائنسدان کو چھوٹا سا دماغ چربی کے لوتھڑے کی شکل میں دے کر اس میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی اور دنیا کی مختلف چیزوں میں اپنی قدرت سے مختلف کمالات اور خوبیاں رکھیں، مثلاً آگ میں جلانے کی خوبی، برف میں ٹھنڈک پیدا کرنے کی خوبی، پانی میں بجلی پیدا ہونے کی خوبی، پٹرول میں تیز رفتار گاڑیاں چلانے کی خوبی، لوہے میں پگھلنے اور انسان کی خواہش

کے مطابق مختلف سانچوں میں ڈھلنے کا کمال، ہواؤں میں ایسی لہریں جو گفتگو کو ایک ہی سکنڈ میں شمال سے جنوب کو پہنچا دیتی ہیں، اللہ ہی نے اپنی قدرت سے رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان عطیات کے بغیر سائنسدان کوئی ایجاد نہیں کرسکتا۔

دوسرا نکتہ یہ ذہن نشین کرلیجئے کہ دنیا دارالاسباب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں عمومی طور پر اسباب ہی کے ذریعہ اپنی قدرت کی مختلف نشانیوں کو ظاہر کرتا رہتا ہے، مثلاً کہیں سورج اور چاند کے ذریعہ اور کہیں ہواؤں کے ذریعہ اور کہیں پانی کے ذریعہ اور کہیں جانوروں کے ذریعہ اور کہیں درختوں اور پہاڑوں کے ذریعہ اور کہیں انسانوں کے ذریعہ اپنی نشانیوں کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔

اس تشریح سے یہ بات ذہن نشین کرلیجئے کہ سورج میں خوبی اور کمال دیکھ کر ہم سورج کی تعریف کرتے، زمین میں خوبی اور کمال دیکھ کر ہم زمین کی تعریف نہیں کرتے، ہواؤں میں خوبی اور کمال دیکھ کر ہم ہواؤں کی تعریف نہیں کرتے، درختوں، پہاڑوں، جانوروں میں خوبی اور کمال دیکھ کر درختوں، پہاڑوں، جانوروں کی تعریف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں تو انسانوں میں خوبی اور کمالات دیکھ کر انسانوں کی کیسے تعریف کرسکتے ہیں؟ انسانوں میں جو بھی خوبی اور کمال ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر زمانہ اور ہر حال میں انسانوں کی ضرورتوں کے مطابق دنیا کے مختلف سائنسدانوں، انجینئروں، ڈاکٹروں کو علم اور صلاحیت سے نواز کر اپنی تخلیق کی مختلف چیزوں کو ظاہر فرمارہا ہے، جیسے کسی چیز کے ظہور میں آنے کے لئے مختلف چیزوں کو اسباب کی حیثیت حاصل ہے، اسی طرح سائنسدان، ڈاکٹر اور انجینئر بھی ان اسباب میں کا ایک پرزہ ہیں بس یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق اور نشانیوں کو سائنسدان، ڈاکٹر اور انجینئر کے ذریعہ ظاہر فرمارہا ہے، اب فیصلہ کیجئے کہ سائنسدان تعریف کا اصل مستحق ہے یا سائنسدان کا پیدا کرنے والا تعریف کا اصل مستحق ہے؟

اسی طرح بہت سارے انسان جن کو خدا کا صحیح تعارف نہیں ہوتا وہ مختلف انسانوں کی سخاوت، ہمدردی ومحبت، ایثار وقربانیوں سے متاثر ہوکر بس ان انسانوں کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں مثلاً کوئی ماں اپنے بیٹے کی وفاداری، فرمانبرداری سے متاثر ہوکر یا کوئی بیوی اپنے شوہر کی محبت اور مہربانیوں سے متاثر ہو یا کوئی مرید اپنے مرشد کی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر بس تعریف میں غلو کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ ان تمام لوگوں میں خوبی اور کمالات جو نظر آرہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی

مہربانیوں اور رحمتوں کا اثر ہے جو ان لوگوں سے ظاہر ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق و احسانات لوگوں کے ذریعہ ان کو حاصل ہو رہے ہیں۔

اس لئے ہر ایمان والے کو اپنی گفتگو میں بھی شعور رکھنا ہوگا اور گفتگو سے بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تعریف کو ظاہر کرنا ہوگا مثلاً اگر کوئی انسان مور یا طوطے سے متاثر ہو جائے تو وہ ان کی تعریف میں اپنی گفتگو کا یہ انداز رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی خوبصورتی اور پینٹنگ کے آرٹ کو طوطے اور مور میں ظاہر فرمایا الحمدللہ۔ اس سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کا کمال اور بڑائی ظاہر ہوگی تو دوسری طرف طوطے اور مور کی بے انتہاء خوبصورتی کا بھی صحیح اظہار ہوگا۔

اگر کوئی اپنے ماں باپ کے احسانوں سے متاثر ہو کر ان کی تعریف کرنا چاہتا ہے تو اس طرح کہنے کے بجائے کہ آج میرے ماں باپ کی وجہ سے میں اس مقام پر ہوں یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتنے پیارے ماں باپ دئے جن کی شفقتوں اور محنتوں کی وجہ سے میں آج اس مقام پر ہوں، اس سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور ماں باپ کی محنتوں کا اعتراف ہوگا۔

اس طرح کسی ڈاکٹر کی دوا سے شفاء ہو جائے تو یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں ڈاکٹر کے ذریعہ شفاء عطا فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ سے شفاء کا ہونا اور ڈاکٹر پر اللہ کی خاص مہربانی کا ہونا ظاہر ہوگا۔

تمام مخلوقات میں سب سے بڑے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کے برابر کا تو کہاں بلکہ آپ کے مقام بلند کے قریب بھی کوئی نہیں، سب سے بالا اور برتر آپ کی ذات عالی ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں آپ کا مرتبہ سب سے بلند بنایا ہے، اتنی بڑائی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دی جتنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے مگر آپ سے زیادہ اللہ کے سامنے سر جھکانے والا آپ سے زیادہ اللہ کی تعریف کرنے والا اور آپ سے زیادہ شکر گذار بھی کوئی نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی محبت میں شدید تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ میری تعریف میں مبالغے مت کرنا، مجھے میری حد سے آگے مت بڑھانا جس طرح کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی تعریف میں مبالغے کئے کہ انہوں نے ان کو خدا کا بیٹا ہی نہیں بلکہ خدا تک بنا ڈالا، میری بزرگی یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو، ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے اپنا رسول بنایا۔

ہمیں مکلّف بنایا گیا ہے کہ ہم حقیقت پسند بنیں اور اللہ و رسول کے درمیان واقعی فرق کو نگاہ میں رکھیں، اسی لئے رسول کو اللہ تعالیٰ کے منصب پر نہیں بٹھاتے بلکہ تعریف کے الفاظ میں بھی فرق رکھتے ہیں، نعت اور حمد دونوں لفظوں کا معنی ایک ہی ہے لیکن فرق کرنے کے لئے ہم رسول کی تعریف کو ''نعت'' اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کو ''حمد'' کہتے ہیں۔

کسی کی بھی تعریف اسکے کمال جمال اور نوال سے متاثر ہو کر کی جاتی ہے

انسانوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ کسی کے کمالات، خوبیوں، حسن و خوبصورتی اور اخلاق و احسانات سے متاثر ہو کر اس کی تعریف اور شکر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اب یہاں غور کرنا ہے کہ انسان جب الحمد للہ کہتا ہے تو کیا واقعی اللہ کے کمال، جمال اور نوال پر نگاہ رکھ کر کہتا ہے یا صرف رسمی انداز سے کہتا ہے، غیر ارادی اور بغیر غور و فکر کئے بس الحمد للہ ادا کرتا رہتا ہے، اللہ جیسا کمال، جمال اور نوال کسی میں نہیں اگر ہم حقیقت میں اللہ کے کمال، جمال اور نوال پر غور کر کے الحمد للہ کہیں گے تو پھر انشاء اللہ دل کی گہرائیوں سے الحمد للہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر نکلے گا اور ہم کسی دوسرے کی حمد و شکر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے جیسا کمال کسی میں نہیں

اللہ کی کاریگری اور مخلوقات کی کاریگری پر ذرا غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مخلوقات اپنی کاریگری اور کمال میں کامل اور مکمل نہیں، مجبور و محتاج ہیں، بغیر اسباب کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں، مخلوقات میں جو کمال ہے وہ ان کا اپنا ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، مثلاً دنیا کے بہت سارے انسانوں میں بظاہر مختلف کمالات اور خوبیاں نظر آتی ہیں اور وہ دنیا کے بہترین ڈاکٹر، انجینئر اور سائنسدان کے نام سے پکارے جاتے ہیں مگر ہر زمانہ اور ہر وقت اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ ان سے بہتر ڈاکٹر، انجینئر یا سائنسدان ان سے پہلے پیدا ہو چکے ہوتے ہیں یا پھر آئندہ پیدا ہو جاتے ہیں یا کسی دوسرے ملک میں موجود رہتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک سے بہتر ایک ہنر مند اسی علاقہ میں موجود رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ جیسا کمال والا نہ کوئی پہلے تھا اور نہ کوئی اب ہے اور نہ آئندہ پیدا ہوگا۔

دنیا کے ہنرمند کا کمال ناقص ہوتا ہے

دنیا کے انجینئر کا کمال دیکھئے کہ وہ دریاؤں پر پل (برج) اور گھروں پر چھت بناتا ہے مگر وہ دس بارہ فٹ کی چھت بغیر پلر اور سہارے کے نہیں بنا سکتا اور اگر سمنٹ ناقص ہو، لوہا زنگ آلود یا کچا ہو اور پانی صحیح مقدار میں نہ ملے تو اس کی یہ چھت زیادہ مدت تک باقی نہیں رہتی یا پھر سو دو سو سال میں گر جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا کمال دیکھئے کہ وہ اتنی بڑی چھت جس کا نام آسمان ہے اور جس کی لمبائی اور چوڑائی اور بلندی کا آج تک کوئی حساب نہیں لگایا جاسکا اس کو بغیر کسی سہارے اور پلر کے اس نے ہمارے سروں پر قائم رکھا ہے اور ایسا ایک آسمان نہیں بلکہ جملہ سات آسمانوں کو بنایا ہے اور یہ چھتیں سو دو سو سال سے نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں سال سے قائم ہیں دنیا کے انجینئر کی چھت کو بار بار دیکھ بھال اور مرمت کی ضرورت پڑتی رہتی ہے مگر اللہ کی اس بنائی ہوئی چھتوں کو نہ کسی مرمت کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ داغ دوزی کی اور نہ ان کو بنانے کے لئے کوئی مٹیریل، مزدور اور مشینوں کی ضرورت پڑی اور نہ روپے پیسے کی، بس وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر اسباب کے بنے اور بغیر اسباب کے سہارے کے ٹھہرے ہوئے ہیں یہ اللہ کا کمال ہے الحمدللہ، اور اس کے جیسا کمال کسی میں نہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ۔

ہم ہر روز آسمان کو دیکھتے ہیں مگر اللہ کی اس غیر معمولی تخلیق پر غور وفکر نہیں کرتے، سورۂ ملک آیت (۳۔۴) ارشاد ہے:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُت ۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْر ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْر ۔

تم رحمان کی بناوٹ میں کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں پاؤ گے، ایک بار نہیں بار بار دیکھو کیا تمہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے، تم اسطرح یکے بعد دیگرے دیکھتے رہو تمہاری نگاہ اٹھے گی اور عاجز و درماندہ ہوکر واپس آجائیگی لیکن تم کوئی نقص نہیں نکال سکو گے۔

حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ اس نے اتنے بڑے عظیم الشان آسمان کو بالکل سیدھا اور مسطح بنایا جس میں کوئی اونچ نیچ اور دراڑ نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا خوبصورت رنگ عطا فرمایا کہ جب انسان دن کے وقت اس کو دیکھے تو انتہائی صاف شفاف آنکھوں کو ٹھنڈک اور تازگی دینے والا

نیلگوں آسمان نظر آتا ہے اور رات کی تاریکی میں دیکھے تو انتہائی خوبصورت مگر روشن، چمکدار، چادر نما چھت نظر آتا ہے، غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر خوبصورت روشن چاند ستاروں کو کیسے ٹانک دیا ہے جو اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ کر دیتے ہیں عام طور پر رات کے وقت انسان آسمان کے مناظر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب وغریب کمال ہے کہ پانی کا رنگ لال اور کالا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ آسمان پر کبھی لال اور کبھی کالے بادل لاکر آسمان کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ انسان اگر آسمان کو دیکھے اور اس کی غیر معمولی تخلیق پر غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کمال کا دل سے اعتراف کریگا، اس کی زبان پر پہلا کلمہ الحمد للہ ہی ہوگا اور وہ دل کی گہرائیوں سے الحمد للہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

اب ذرا زمین پر غور کیجئے کہ وہ زمین جس پر انسان ہی نہیں بلکہ ہزاروں مخلوقات کو بھی اللہ تعالیٰ نے بسایا ہے جس میں کئی بڑے بڑے براعظم رکھے ہیں جس کے تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے جس کو کالے، لال اور سفید پہاڑوں کے ذریعہ قرار عطا فرمایا جس کی مٹی کو کئی رنگ دے کر کہیں کالی، کہیں لال اور کہیں گندمی رنگ کی زمین بنائی پھر ہر مٹی کی خاصیتیں بھی الگ الگ رکھیں جس میں نشیب وفراز اور ندی نالے بنائے، نیز کہیں وادی، کہیں جھیل اور تالاب اور کہیں جنگل آباد کئے، اگر آسمان کی طرح اسے مسطح اور ایک رنگ کا رکھا جاتا تو انسانوں کو اس کے علاقے پہچاننے اور اپنی ضروریات پوری کرنے میں بڑی تکالیف ہوتیں، زمین کے نشیب وفراز میں انسان کے لئے بے انتہا فائدے ہی فائدے ہیں۔

پھر زمین سے کئی گنا بڑا سورج اور سورج سے بھی بڑے بڑے سیارے اور ستارے ہیں، سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ بعض کی روشنی ہزاروں سال سے چلی آرہی ہے مگر اب تک وہ زمین پر نہیں پہنچ سکی کیوں کہ زمین سے ان کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔

غرض یہ کہ یہ سارا نظام جو ہمارے سامنے نظر آرہا ہے ایسا نہیں کہ اتنے بڑے اور بھاری سورج کو کسی پلّروں کے ذریعہ زمین کے اوپر قائم رکھا گیا ہو یا دوسرے ستارے اور سیارے جو بظاہر دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے چپکے اور جڑے ہوئے ہیں ان کو پلّروں کے ذریعہ ٹھہرایا گیا ہوگا، اس زمین پر لاکھوں کروڑوں ٹن وزنی مٹی، پہاڑ، بلڈنگس، سمندر،

جمادات، حیوانات، نباتات معدنیات وغیرہ وغیرہ ہیں جن کی تعداد اور مقدار کا معلوم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، یہ سارا کا سارا نظام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کمال سے قائم ہے۔

سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ یہ سارا نظام فضا اور خلاء میں تیر رہا ہے، کائنات کی بقاء کا دارو مدار قوت کشش پر رکھا گیا ہے اور ہر چیز ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے یعنی زمین سورج کو اور سورج دوسرے سیاروں کو، غرض زمین آسمان، چاند، سورج سیارے اور ستارے سب کے سب قوتِ کشش پر قائم ہیں، اگر سائنس کی اس بات کو مان لیا جائے تو اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی بقاء کا دارو مدار قوتِ کشش پر کیسے زبردست طریقہ سے قائم رکھا ہے کہ ہر چیز ایک دوسرے کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہی ہے جن کے وزن کا ہم اندازہ ہی نہیں لگا سکتے، ایسی وزن دار اور عظیم الشان چیزیں اگر صرف قوت کشش کے نظام پر قائم ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہی کمال ہے کہ یہ چیزیں نہ ایک دوسرے سے ٹکراتیں اور نہ آگے پیچھے ہوتی ہیں، اگر اس نظام میں تھوڑا سا بھی فرق آجائے تو پوری کائنات بگڑ جائے گی، جیسے دو دیواروں پر مقناطیس لگائیے اور بیچ میں کوئی چیز رکھئے تو دونوں کی کوئی ایک طاقت کم یا زیادہ ہوجائے تو بیچ کی چیز گر جائے گی، اسی طرح کائنات کی ہر چیز ایک دوسرے کو کھینچ رہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گہن اور سورج گہن کے وقت نماز خسوف وکسوف کی تلقین وتعلیم دی تو اس وقت لوگوں کو تعجب ہوا، مخالفین نے پوچھا یہ کونسا موقع ہے نماز پڑھنے کا؟ تیرہ سو سال کے بعد سائنسدانوں نے تحقیق کی کہ سورج اور چاند کی جو کشش ہے وہ گہن کے وقت انتہائی متاثر ہوتی ہے اور کبھی بھی سورج گہن اور چاند گہن کے دوران قوت کا توازن (بیالنس) بگڑ سکتا ہے اور یہ پوری کائنات تباہ ہوسکتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل سورج گہن اور چاند گہن کے وقت اللہ کی جانب متوجہ ہونے کا حکم دیا تھا کہ کائنات کیلئے نازک موقع ہے اس وقت تو دنیا یہ سمجھ نہیں سکی لیکن آج جدید تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ پوری دنیا کیلئے نازک موقع ہے اور یہ حکم عین فطرت کے مطابق ہے۔

غرض اتنی بڑی بڑی چیزیں جن کا وزن، لمبائی، چوڑائی وغیرہ معلوم کرنا انسان کے بس کی

بات نہیں وہ سب بغیر کسی سہارے اور پلّر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کمال سے فضا اور خلاء میں تیر رہی ہیں سائنس کی تحقیق کے مطابق نظام کشش پر قائم ہیں، اسی طرح غور کرتے چلے جایئے، اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ہزاروں مخلوقات کو پیدا فرمایا، کسی کو مٹی کا جسم دے کر زمین بنایا، کسی کو پتھر کا جسم دے کر پہاڑ بنایا اور کسی کو لکڑی کا جسم دے کر جھاڑ اور پودے بنائے اور کسی کو آبی بخارات کا جسم دے کر ابر بنایا اور کسی کو دھات کا جسم دے کر معدنیات بنایا اور کسی کو گیس کا جسم دے کر ہوا بنایا اور کسی کو آگ کا جسم دے کر جنات بنائے اور کسی کو نور کا پیکر دے کر فرشتے بنایا اور کسی کو گوشت اور خون کا جسم دے کر جاندار بنایا اور کسی کو سیال مادے کا جسم دے کر پانی بنایا، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس جیسا کمال کسی میں نہیں، عام طور پر انسان لکڑی، کاغذ یا دیوار پر تصویر بناتا ہے لکڑی کا غذ اور دیوار پر تصویر بنانا کوئی کمال نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا کمال دیکھئے کہ وہ نور، آگ اور پانی جیسی چیزیں جس میں کوئی ٹھہراؤ نہیں ہوتا ہے ان پر تصویر بناتا ہے اور فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ سے اور تمام جانداروں کو زمین سے نکلنے والی غذاؤں کے مجموعہ سے بننے والے پانی کے قطرہ سے پیدا فرماتا ہے، بیشک اس جیسا کمال کسی میں نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ ۔

اسی طرح غور کیجئے کہ اللہ نے ہر چیز کی پہچان اور خوبصورتی کیلئے ہر چیز کو ایک مخصوص رنگ عطا فرمایا مگر پانی کو بے رنگ بنایا اور پھر خاصیت یہ رکھی کہ وہ ہر رنگ کو قبول کر کے اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے پھر اس میں یہ بھی کمال اللہ نے رکھا ہے کہ ہم چاہیں تو پتھر کی طرح ٹھوس بنالیں یا بخارات اور بھاپ کی شکل میں تبدیل کرلیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ پانی کا کوئی رنگ نہیں ہوتا پھر بھی ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں اور ہاتھ میں لے سکتے ہیں، اس کی مقدار اور اس کا وزن معلوم کر سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی کاریگری کا کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو تو اتنا لطیف اور بے رنگ بنایا کہ جیسے بظاہر اس کا کوئی جسم اور وزن ہی نہیں اور نہ ہم اس کو دیکھ سکتے اور نہ پکڑ سکتے ہیں صرف چھو کر پہچان سکتے ہیں، یہ بس اللہ تعالیٰ کا کمال ہی کمال ہے، الحمدللہ۔ اس جیسا کمال اور قدرت کسی میں نہیں، لا الٰہ الا اللہ ۔

سورۂ فاتحہ میں پورے قرآن کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے

اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ جو احکام قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ ۳۰/ پاروں

میں بیان کئے گئے ہیں ان کا ایک مختصر اور سیدھا سادہ خلاصہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی شکل میں انسانوں کو عطا فرمایا تا کہ انسان بہ آسانی ذہن نشین کرلے اور پھر ہمیشہ اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں دہراتا رہے گویا ان آیتوں کے اندر پورا قرآن عظیم بند ہے اور اس چھوٹے سے نگینہ کے اندر معانی اور حقائق کا پورا کا پورا شہرستان دکھایا جارہا ہے جو قرآن مجید کے ۳۰/ پاروں کے اندر پھیلا ہوا ہے یعنی کوزے میں سمندر کو بند کردیا گیا ہے، غور کیجئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کیسا کمال ہے، بیشک تعریف کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ''الحمد لله''

بارش کے برسانے میں اللہ تعالیٰ کا کمال

ہم برسات کے موسم میں بارش کو آسمان سے برستا ہوا دیکھتے ہیں مگر غافل ہی غافل بنے رہتے ہیں، انسان بارش کے برسنے میں خدا کی قدرت پر غور وفکر نہیں کرتا، ذرا بارش کے نظام پر غور کیجئے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی قدرت اور کمال ہی کمال نظر آئے گا، اللہ تعالیٰ سورج کی شعاعوں سے کیسے پانی کو بھانپ بنا کر ہواؤں کے ذریعہ اڑاتا رہتا ہے اور پھر خاص بارش کے موسم میں اس بھاپ سے بنے ہوئے ابر کو زمین پر برسادیتا ہے، سب سے پہلے غور کیجئے کہ وہ پانی جو سرما اور گرما میں بھاپ بن کر اڑا تھا وہ ''ابر'' برسات کا موسم آنے سے پہلے کہاں تھا؟ پھر خاص بارش کا موسم شروع ہوتے ہی بادلوں کے بادل آسمانوں پر کیسے جمع ہوجاتے ہیں؟ آخر وہ کون ہے جو ان کو اسی موسم میں برسنے کا حکم دیتا ہے، یہ بادل گرما اور سرما میں اسی طرح کیوں نہیں برستے جیسے برسات کے موسم میں برستے ہیں؟ یا پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ برسات کے موسم میں بادل آسمان پر چھا جاتے ہیں مگر برستے نہیں، آخر کون ہے جو ان کو برسنے اور نہیں برسنے کا حکم دیتا ہے؟

بادل صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے برستے ہیں اور پھر آگے غور کیجئے کہ جب یہ پانی زمین پر ہوتا ہے تو سورج سے دور ہونے کے باوجود سورج کی گرمی سے بھاپ بن کر ہوا میں اڑ جاتا ہے اور بادلوں کی شکل میں نظر آتا ہے، اب جبکہ زمین سے دور ہوکر سورج سے کسی قدر قریب ہوجاتا ہے پھر بھی وہاں ہواؤں میں جل کر ختم کیوں نہیں ہوجاتا، بھاپ کو پانی بنانے کے لئے ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے، آخر وہ کونسی طاقت ہے اور کس کی قدرت ہے جو ابر کو باوجود سورج سے قریب

ہونے کے ٹھنڈا کر کے پانی بنا کر برساتی ہے؟

مزید غور کیجئے تو اللہ تعالیٰ کا کمال ہی کمال نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے برسانے کا بھی کتنا خوبصورت نظام بنایا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ اسی بارش کو آہستہ آہستہ، رم جھم اور کبھی زوردار موسلا دھار اور کبھی طوفانی شکل میں برساتا ہے، کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ آخر وہ کونسی مشین آسمان پر لگی ہوئی ہے جو بارش کو کم اور زیادہ قوت سے برساتی ہے؟

اسی طرح آپ غور وفکر سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کیسا کمال ہے کہ وہ پانی کو برساتے وقت ہر قطرہ کو برابر برابر رکھتا ہے، کوئی قطرہ موٹا اور کوئی باریک نہیں ہوتا، یہ بارش دھاروں کی شکل میں ایسی عجیب وغریب حکمت اور کمال سے برستی ہے کہ ہر دھار کا فاصلہ دوسری دھار سے بالکل برابر برابر کا ہوتا ہے جیسے کسی شاور Shover یا چھلنی میں سے پانی آتا ہے، کیا آسمان میں کوئی چھلنی لگی ہوئی ہے جو پانی کو دھاروں کی شکل میں گراتی ہے؟ نہیں! بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کمال اور اس کی زبردست قدرت ہے کہ وہ اپنی رحمت سے بارش کو اس انداز سے برساتا ہے، اس طرح پھر آگے غور کیجئے کہ اگر پورے کے پورے ابر کو ایک دم گرایا جاتا جیسے کوئی آبشار یا بہت بڑی موج یا دریا کے بہاؤ کی طرح لہر اوپر سے یکدم زمین پر گرائی جاتی تو شاید ہزاروں انسان، جانور، محلے، بستیاں، مکانات، کھیت تباہ وبرباد ہو جاتے یا پھر اگر کوئی پانی کی قطار موٹی، کوئی باریک اور کوئی آبشار کی طرح بڑی بڑی ہوتی تو شاید کتنے انسان، گھر اور درخت اور جانور یکدم مر جاتے اور تباہ و برباد ہو جاتے، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا کمال ہے کہ وہ بارش کو اس انداز سے تھوڑا تھوڑا کر کے برساتا ہے۔

اسی طرح ذرا غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اگر جھاڑ اور پہاڑ ابر کو روکتے اور ٹھنڈا کرتے ہیں جس سے بارش ہوتی ہے تو پھر یہ درخت اور پہاڑ گرما اور سرما میں ابر کو کیوں نہیں روکتے؟ دوسرے موسموں میں ابر کو ٹھنڈا کیوں نہیں کرتے؟ بارش تو پہاڑی علاقوں، جنگلوں اور آبادیوں، غرض ہر جگہ برستی ہے، اسی طرح غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کیسا کمال ہے کہ سمندروں میں پانی زمین کے مختلف فاسد مادوں کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اس میں کمپنیوں سے خارج ہونے والا زہریلا پانی، جانوروں کا بول وبراز، سب کچھ ملا ہوا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے کھارا بنا کر سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے، وہ اپنی قدرت سے سمندروں کے کھارے پانی کو اڑا کر

بارش کے ذریعہ میٹھا صاف وشفاف بنا کر برساتا ہے، ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کمال کسی میں ہے؟ بیشک اس جیسی قدرت کسی میں نہیں، اگر انسان اس طرح غور وفکر کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائے گا اور دل کی گہرائی سے الحمد للہ کا اعتراف کر کے اس کی تعریف کرے گا اور پانی کو شعور کے ساتھ اللہ کا نام لیکر پئے گا اور پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا شکر بھی بجالائے گا، مگر افسوس ہزاروں لاکھوں انسان پانی کی اس نعمت سے واقف ہی نہیں، غافل کے غافل بنے ہوئے ہیں اور کبھی کائنات میں غور وفکر نہیں کرتے، حالانکہ جانوروں کے مقابلہ میں انسانوں کو عقل وعلم اسی لئے دیا گیا ہے کہ وہ کائنات میں تفکر اور تدبر کرے، جانوروں اور انسانوں میں فرق یہ ہے کہ جانور بھی بچے پیدا کرتے ہیں، انسان کے بھی اولاد ہوتی ہے، جانور بھی گھر بناتا ہے، انسان بھی گھر بناتا ہے، جانور بھی غذا کی تلاش کر کے اپنے بچوں کو پالتا ہے، انسان بھی غذا تلاش کر کے اپنے بچوں کو پالتا ہے، مگر جانور انسانی عقل وفہم جیسی نعمت سے خالی ہے، وہ کائنات میں غور فکر نہیں کرسکتا، اگر انسان بھی صرف جانوروں جیسا ہی کام کرتا رہے اور کائنات میں غور وفکر نہ کرے تو اس میں اور جانور میں فرق باقی نہیں رہے گا، انسان کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہوجاتا ہے اس کی قدر وقیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں لگا سکتا، تالابوں، دریاؤں، جھیلوں کے قریب رہنے والے پانی کی حقیقی نعمت کا اندازہ نہیں لگا سکتے، ان کے نزدیک پانی ایک بے قدر چیز بنی رہتی ہے، پانی کی قدر تو ان لوگوں سے پوچھی جائے جو ریگستانوں اور قحط زدہ علاقوں میں رہتے ہیں، اندھوں سے آنکھوں کی روشنی کی اہمیت پوچھئے، بیماروں سے صحت وتندرستی کی اہمیت پوچھئے، بھوکے سے غذاؤں کی اہمیت پوچھئے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اندازہ ہوگا، ہمارے پاس پانی کی اس لئے قدر نہیں ہے کہ وہ ہمارے اطراف پھیلا ہوا ہے اس لئے اس کے استعمال پر الحمد للہ یاد نہیں آتا۔

کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے جمال کا مظہر ہیں

اللہ تعالیٰ کے جمال کا عالم بھی سنئے کہ سو (۱۰۰) حصے جمال میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک حصہ جمال کو دنیا میں ظاہر کیا، جس کی وجہ سے درختوں، پتوں، پھولوں اور پھلوں کی

خوبصورتی، رنگ و بو، پرندوں، چرندوں اور چوپایوں کی رنگت، حسن وخوبصورتی، آسمانوں میں سورج، چاند، ستاروں کی چمک، بادلوں کی رنگینی اور رات و دن کی خوبصورتی، جنگلوں میں خوبصورت نظارے، پہاڑوں کی رنگینی، سبزہ زاروں اور آبشاروں کی خوبصورتی، انسانوں اور خاص طور پر بچوں میں خوبصورتی، صبح وشام کے موسموں میں خوبصورتی وزیبائی و جمال دیکھ دیکھ کر انسان بار بار متاثر ہوتا کبھی اکتا نہیں جاتا اور ان چیزوں کی خوبصورتی و جمال اور خوشبو سے اپنے آپ کو تر و تازہ کرتا اور سکون پاتا ہے اور تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ نے خالق ہونے کے ناطے نہ صرف ایک دنیا بنائی بلکہ ایسی حسین وجمیل دنیا بنائی ہے جس میں ہر طرف نگاہوں کو جذب کر لینے والے اور ٹھنڈک دینے والے جلوے ہی جلوے پھیلے ہوئے ہیں، کائنات کی چیزوں میں جو بھی حسن و جمال نظر آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے، پھولوں کی مہک اور خوبصورتی خدا کے جمال کی ایک جھلک ہے، اگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو ہر چیز میں اللہ کا نور نظر آئے گا مگر کوئی چیز نہ خدا ہے اور نہ خدا جیسی، انسان اگر کائنات میں غور وفکر کرتا رہے تو ساری دنیا اس کو خدا کی یاد دلانے والی بن جائے گی اور وہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا جمال، کمال اور نوال پائے گا اور ہر چیز میں خدا کی قدرت دریافت کرے گا، مثلاً دنیا میں ہم مختلف پرندے مور، طوطا، کبوتر، مینا، کوا، کوئل، زبرا، ہرن، شیر، ببر، خوبصورت مچھلیاں اور سمندری جانور، چرند پرند اور چوپایوں کو دیکھتے ہی رہتے ہیں مگر غفلت کیساتھ گذر جاتے ہیں حالانکہ کائنات کی ہر چیز اپنے خالق کا آئینہ ہے مگر ہر روز بچپن سے مسلسل ان چیزوں کو دیکھنے کی وجہ سے ہم اتنے مانوس ہوجاتے ہیں کہ ان کے انوکھے پن کو محسوس نہیں کر پاتے اور غافل ہی غافل بنے رہتے ہیں۔ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں حسن وخوبصورتی کیوں رکھا ہے؟ پرندوں میں چرندوں میں اور چوپایوں میں طرح طرح کا حسن وزیبائی کسی کے لئے رکھا ہے؟ کیا طوطا اور مور، اور کیا گلاب، موتیا اور دوسرے پرندے اور پھول خود اپنی خوبصورتی، حسن اور خوشبو سے واقف ہیں؟ نہیں! بلکہ ان میں جو حسن و جمال ہے انسانوں کی خاطر رکھا گیا ہے تاکہ انسان عقل وفہم کے ساتھ اپنے خالق کی مصوری اور تخلیق پر غور وفکر کریں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک، دل کو سکون دے کر اپنے مالک کی تعریف کرتے ہوئے الحمد للہ کی تسبیح بیان کریں، مومن کائنات کی چیزوں کو نہ خدا سمجھتا اور نہ خدا جیسی

سمجھتا بلکہ ان میں خدا کا کمال اور جمال دیکھ کر الحمد للہ کو پورے دل کی گہرائیوں کے ساتھ ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرتا ہے۔

مسلم اور غیر مسلم کا فرق یہ ہے کہ غیر مسلم کی نگاہ مخلوقات میں اٹک کر رہ جاتی ہے، مومن قوت ایمانی کے ذریعہ مخلوقات سے گذر کر خالق تک پہنچ جاتا ہے، غیر مسلم مخلوقات کے حسن کو خود مخلوقات کا حسن و کمال سمجھ کر انہیں میں گم ہو جاتا ہے اور مخلوقات کی تعریف میں لگ جاتا ہے، مسلم مخلوقات کے حسن میں خالق کا حسن دیکھتا ہے اور اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے الحمد للہ الحمد للہ اور اپنے آپ کو خالق کے آگے ڈال دیتا ہے، غیر مسلم کا سجدہ چیزوں کے لئے ہوتا ہے اور مسلم کا سجدہ چیزوں کے خالق کے لئے ہوتا ہے، مومن انسان جب کائنات کی چیزوں کو دیکھتا ہے تو وہ ان کی ظاہری چمک دمک سے دھوکہ نہیں کھاتا، یہ تمام چیزیں اس کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق نظر آتی ہیں جبکہ غیر مسلم ان تمام چیزوں میں دھوکہ کھا کر ان کو خدا سمجھنے لگتا ہے، جنت کی تمام نعمتوں میں سب سے اعلیٰ اور قیمتی نعمت دیدار الٰہی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے جمال کا عالم یہ ہوگا کہ جنت میں جنتی کو سب سے زیادہ دیدارِ الٰہی میں مزہ آئے گا اور ساری نعمتیں دیدارِ الٰہی کے سامنے ہیچ ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کا نوال (ہر چیز اللہ کے اخلاق و احسانات کو ظاہر کرتی ہے)

اللہ تعالیٰ کا نوال دیکھئے، نوال کے معنی احسانات، بخشش، دین کے ہیں، ہم رات دن دنیا کے مختلف انسانوں میں مختلف قسم کے اخلاق و احسانات دیکھتے رہتے ہیں مگر ان کی حقیقت پر غور وفکر نہیں کرتے، مثلاً کوئی کسی کی پرورش کر رہا ہے، کوئی کسی کے ساتھ رحم اور محبت کر رہا ہے، کوئی سخاوت کر رہا ہے، کوئی تیمارداری اور خدمت کر رہا ہے، کوئی عدل وانصاف کر رہا ہے اور کوئی وعظ و نصیحت کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ سب اللہ کی دین و احسانات ہیں جو دوسروں کے ذریعہ ظاہر ہو رہے ہیں اور دوسرے یہ سارے اعمال کرنے پر مجبور ہیں، مثلاً جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ابھی وہ بچہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہی ہوتا ہے مگر ماں باپ کے دل میں اللہ تعالیٰ اتنی محبت ڈال دیتا ہے کہ ماں اس بچے کو ذرا سی تکلیف بھی ہونے نہیں دیتی یہاں تک کہ بچہ تکلیف میں ہو تو ماں رات رات

بھر جاگ کر خود بھیگے بستر پر سوتی اور خدمت کرتی ہے اور بچے کو اپنے اوپر سلا لیتی ہے، سوچئے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا نوال یعنی احسان ہے جو ماں کے دل میں محبت کا جذبہ پیدا فرما دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا احسان ماں کے ذریعہ ظاہر ہو رہا ہے ''الحمد للہ'' ۔اس کے برعکس اگر اللہ تعالیٰ ماں باپ کے دل میں محبت اور ہمدردی پیدا نہ کرتے تو بچہ کے سب سے بڑے دشمن ماں باپ ہی ہوتے اس لئے کہ وہ اپنا سکون چین برباد کرنا نہیں چاہتے اور بچے کے لئے تکلیف اور مصیبت قبول نہ کرتے، پرورش کرنے میں ان کو بول و براز کی صفائی کرنی پڑتی ہے، دکھ درد، بیماریوں میں تیمارداری کرنی پڑتی ہے، اپنا دودھ پلانا پڑتا ہے، پھر روپیہ پیسہ سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دواخانوں میں ہزاروں لوگ مریضوں کی تیمارداری اور خدمت بہت ہی سخت طریقہ سے کرتے ہیں یہاں تک کہ مریضوں کا پاخانہ اور پیشاب تک بچوں کی طرح صاف کرتے ہیں ان کیلئے رات رات بھر جاگتے ہیں، یہ تیمارداری کا جذبہ کس نے پیدا کیا؟ یہ اللہ ہی کا نوال یعنی احسان ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا فرما کر خدمت کرواتا ہے ''الحمد للہ'' ۔اگر یہ جذبہ پیدا نہ فرماتا تو انسان کی بیماری میں کوئی بھی اس کی خدمت نہیں کرتا اور وہ بے سہارا مجبور اور لاچار پڑے رہتا، جیسے ہم کتا، بلی کو اکثر بیماری کی حالت میں دیکھتے ہیں۔

اسی طرح دنیا میں بہت سارے انسان بھوک، پیاس اور دوسرے مسائل میں پریشان رہتے ہیں، بھیک اور مدد مانگتے پھرتے ہیں تو لوگ ان کے ساتھ سخاوت کا سلوک کر کے ان کی مدد زکوٰۃ، صدقات، خیرات سے کرتے ہیں، یہ سخاوت، ہمدردی کا جذبہ کس نے پیدا کیا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا نوال یعنی احسان، دین اور ہمدردی ہے جو انسانوں کے دل میں سخاوت اور مدد کا جذبہ ڈال کر غریبوں کی مدد کرواتا ہے اور انسانوں کو سخی بناتا ہے اور قرضداروں کے قرضوں کا بوجھ ہلکا کرواتا ہے ''الحمد للہ'' اگر یہ جذبہ پیدا نہ ہو تو انسان کنجوس اور بخیل بنا رہتا ہے اور خود غرض بن جاتا ہے۔

اسی طرح کسی مکان یا دوکان کو آگ لگ جائے یا کوئی پانی میں ڈوب جائے تو دوسرے انسان دوڑ پڑتے ہیں اور اپنی جان خطرہ میں ڈال کر دوسروں کی جان و مال کو بچاتے ہیں، یہ سب کام کون کرواتا ہے؟ دوسروں کے دلوں میں مدد کا جذبہ کون پیدا کرتا ہے؟ یہ اللہ ہی کا نوال ہے جو دوسروں کو مدد کیلئے

دوڑاتا ہے "الحمد للہ" اگر یہ جذبہ پیدا نہ تو لوگ صرف تماشہ دیکھتے ٹھہرے رہتے تھے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا میں ہزاروں ایسے انسان ہیں جو اپنا پیسہ اور اپنا وقت خرچ کر کے غافل اور گمراہ انسانوں کو غفلت اور گمراہی سے بچانے کے لئے اور ان کو شیطان کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے دن رات محنت کرتے رہتے ہیں اور اپنا جان و مال لگا کر ان کو حق کی دعوت دیتے اور دین سکھاتے ہیں اور اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرواتے ہیں اور اس راستہ میں ہر قسم کی مصیبتیں اور تکالیف برداشت کرتے ہیں، یہ سب وعظ و نصیحت جو رات دن انسانوں کے درمیان ہوتا ہے کون کرواتا ہے؟ یہ اللہ ہی کا نوال ہے جو انسانوں میں اچھے انسان پیدا کر کے ان سے وعظ و نصیحت کے ذریعہ دوسرے انسانوں کو جہنم سے بچاتا ہے "الحمد للہ"۔ اگر دنیا میں پیغمبروں کے چلے جانے کے بعد یہ محنت نہ ہو تو دنیا کی آبادیاں جنگل کی آبادی بن جاتی اور انسان انسانی شکل میں شیطان اور جانور بن جاتے۔

غرض دنیا میں ایک بیٹا اپنے ماں باپ کے ساتھ یا ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ یا عورت اپنے شوہر کے ساتھ یا شوہر اپنی بیوی کے ساتھ، رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ، پڑوسی اپنے ہمسایہ کے ساتھ، شاگرد اپنے استاد کے ساتھ اور استاد اپنے شاگرد کے ساتھ، حاکم اپنی رعایا کے ساتھ اور رعایا اپنے حاکم کے ساتھ جو کچھ بھی احسان، اخلاق اور مدد کرتے ہیں اور دوسری مخلوقات انسانوں کی جو کچھ خدمت کرتی ہیں مثلاً گھوڑا، اونٹ، ہاتھی، گائے، بیل، بھینس، بکری، مرغی وغیرہ وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا نوال ہے "الحمد للہ"۔ اللہ تعالیٰ کے یہ احسانات، دین، عطا، بخشش اور مدد صرف انسانوں پر ہی نہیں دوسری تمام مخلوقات پر بھی ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جانور اپنے بچوں کو پالنے، حفاظت کرنے، غذا تلاش کرنے، اڑنے وغیرہ میں محبت و حفاظت کے ساتھ انجام دیتے اور ان کی مدد کرتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ ہی تعریف کے لائق ہے الحمد للہ۔

غرض اللہ تعالیٰ کے بے انتہاء احسانات ہر مخلوق پر ہیں، ہم ان کو بیان کرنے سے عاجز ہیں، جب آپ کم از کم ان باتوں کا شعور اپنے اندر پیدا کریں گے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ دل کی گہرائیوں سے "الحمد للہ" نکلے گا اور بار بار آپ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف و شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ اللہ جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ لا الہ الا اللہ۔

مگر افسوس ہے کہ ہم الحمد للہ شعور کے ساتھ نہیں کہتے اور نہ کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کمالات پر غور وفکر کرتے ہیں بس بے شعوری کے ساتھ الحمد للہ کہتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کا کلام بے شعوری کے ساتھ پڑھنے کے لئے نازل کیا گیا ہے؟ آخر کیوں نہیں سوچتے کہ الحمد للہ پڑھنے کی ہدایت دے کر اللہ تعالیٰ ہم میں کون سی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے؟ سوچئے کہ الحمدللہ کے ذریعہ ہم کتنی عظیم الشان چیزوں کا اعتراف کر رہے ہیں۔

کائنات اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا ذریعہ اور آلہ ہے

اللہ تعالیٰ براہ راست ہماری آنکھوں کو دکھائی نہیں دیتا مگر وہ اپنی نشانیوں کے ذریعہ یقیناً دکھائی دیتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ انسان اس کائنات میں غور وفکر کر کے اسکو پہچانے، اسکی قدرت اور کمالات سے متاثر ہو کر انسان پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جائے اور وہ بے اختیار پکار اٹھے الحمد للہ۔

قرآن میں جگہ جگہ انسانوں کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ (نساء) — کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔

اسی طرح سورۂ محمد میں ارشاد ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔ — کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے تالے پڑ گئے ہیں۔

سورۂ جاثیہ میں ارشاد ہے:

ھٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ۔ — یہ لوگوں کے لئے بصیرتیں ہیں۔

سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۷۹ میں ہے:

(ترجمہ) ان کے پاس دل ہیں مگر سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں، وہ ایسے ہو گئے ہیں جیسے چوپائے ہیں بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گئے گذرے، بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔

اگر انسان اس کائنات میں غور وفکر کرے گا تو اس پر وہ کیفیت طاری ہوگی جو قرآن کی سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۹۱ میں بتائی گئی ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً۔ — اے ہمارے پروردگار یہ سب کچھ تو نے بیکار پیدا نہیں کیا۔

غور کیجئے کہ یہ ساری دنیا کس کے لئے تیار کی گئی؟ صرف انسان کے لئے! اگر انسان ایسی حالت میں دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرلے اور اگر اس کی طرف سے حمد کا ظہور نہ ہو یا وہ حقیقی مالک کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی تعریف کرتا رہے تو یہ بہت بڑا جرم اور نمک حرامی ہوگی۔

دنیا اللہ تعالیٰ کے جمال، نوال وکمال کا آئینہ ہے اگر انسان اس میں غور وفکر کریگا تو اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہی نکلتی رہے گی اور وہ خدا کے جلوؤں میں اسطرح گم ہوجائیگا کہ اس کی حمد خوانی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے لذیذ ترین مشغلہ بن جائیگی اور وہ مخلوقات سے گذر کر خالق کو پالے گا۔

یہ کائنات ہر روز مومن اور غیر مومن دونوں کے سامنے آتی ہے مگر دونوں اس دنیا کو اپنے اپنے فہم ونظر سے دیکھتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے مومن کے لئے وہ اس کے ایمان کی غذا بن جاتی ہے اور غیر مومن مخلوقات ہی میں گم ہوکر گمراہی اور سرکشی میں چلا جاتا ہے۔

سائنسی ایجادات دیکھنے سے انسان یاد آتا ہے، قدرتی مناظر دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے، سائنسی ایجادات میں انسان کی کاریگری کا خیال آتا ہے، قدرتی مناظر میں خدا کی کاریگری کا خیال آتا ہے، سائنسی ایجادات انسان کو انسان سے جوڑتے ہیں اور قدرتی مناظر انسان کو خدا سے جوڑتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سائنسی ایجادات میں انسان کو وہ سکون نہیں ملتا جو قدرتی مناظر میں سکون ملتا ہے۔

قدرتی مناظر کیا ہیں؟ وہ خدا کی صفات کا آئینہ ہیں، یہ عظیم الشان کائنات گونگے بہرے اور اپاہج لوگوں کا عجائب گھر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ایک ایک چیز کو واعظ اور مبلغ بنا دیا ہے وہ دن رات انسانوں کو اپنے مالک کی یاد دلاتی ہے مگر افسوس انسان خود انسانی جلوؤں میں اتنا گم ہے کہ اس کو اپنے خالق و مالک کے جلوے نظر نہیں آرہے ہیں، یہ انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے جو شخص دنیا میں ان نشانیوں کے ذریعہ اپنے خالق اور مالک کو پہچاننے سے محروم رہا وہ حشر میں خدا کو پانے والا کس طرح بن سکتا ہے؟ قرآن نے انسانوں کی اس غفلت اور انجانے پن کی شکایت کرتے ہوئے سورۂ یوسف میں ارشاد فرمایا:

وَ كَاَيِّن مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔

اور آسمان وزمین میں (معرفت حق کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں لیکن افسوس انسان کی غفلت پر، لوگ ان پر سے گذر جاتے ہیں مگر ان پر غور وفکر تک نہیں کرتے۔

قرآن جگہ جگہ آثار کائنات کو بار بار پیش کر کے ان سے نتیجہ نکالنے اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی گویا باقاعدہ تربیت دے رہا ہے تاکہ انسانوں میں سوچنے اور تلاش کرنے کا ڈھنگ پیدا ہو جائے اور ان تمام باتوں سے انسان کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھے اور عقل سے کام لے تو زمین سے لیکر آسمان تک جدھر بھی وہ نگاہ ڈالے گا اس کے سامنے صرف خدا کی ہستی اور اس کی یکتائی کے بے حد وحساب دلائل آئیں گے اور اس کو کہیں کوئی ایک دلیل بھی شرک ودہریت کے ثبوت میں نہ ملے گی۔

زمین کی تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جس کو کشتیاں اور جہاز چلانے، جانوروں پر سواری کرنے، ریل، ہوائی جہاز جیسی چیزیں استعمال کرنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے اس لئے تو نہیں دی کہ وہ چاول، گیہوں اور اناج اور نمک کے بے جان تھیلوں کی طرح ان پر لد جائے اور کبھی نہ سوچے کہ آخر وہ کون ہے جس نے انسانوں کے لئے سمندروں میں بڑے بڑے جہاز پھول کی طرح تیرانے اور ہوا میں ہزاروں ٹن وزنی جہاز چڑیا کی طرح اڑانے اور خشکی پر انتہائی لمبی لمبی ریل گاڑیاں تیز رفتار دوڑانے کے حالات پیدا کئے۔

ان تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور نعمت دینے والے مالک کو نظر انداز یا فراموش کر دینا گویا دل کے مردہ اور عقل وضمیر کے بے حس ہونے کی علامت ہے، ایک زندہ اور حساس قلب و ضمیر رکھنے والا انسان کائنات کی چیزوں کو جب استعمال کرے گا تو اس کا دل خالق کی تخلیق، رب کی ربوبیت اور رحمٰن کی رحمانیت، حکیم کی حکمت اور مالک کے عدل وانصاف سے متاثر ہو کر دل کی گہرائیوں سے شکر اور تعریف کرنے پر مجبور ہو جائے گا اور اس کی زبان سے بے ساختہ پاکی اور تعریف کے کلمات نکلیں گے۔

انسان کو خدا کا شکر گذار بندہ بن کر زندگی گذارنا ہوگا

فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنَ ۔ (البقرة:١٥٢)	تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری مت کرو۔
وَ اشْكُرُوا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ (بقرہ:١٧٢)	اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔
وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۔ (اعراف)	اور شکر گذار بندوں میں سے ہو جا۔

کائنات کی دوسری مخلوقات کی طرح انسان کو بھی اللہ کا شکر گذار بندہ بن کر زندگی گذارنا ہوگا، انسان نہ صرف کائنات میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی خوبیوں اور کمالات ہی کا اعتراف کرے بلکہ وہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتے رہے یعنی جس طرح حمد کے ذریعہ ہر قسم کی خوبیوں اور ہر قسم کے کمالات کا اعتراف کر کے توحید اختیار کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور احسانات کا اقرار واظہار کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ بھی بننا ہوگا۔

سورۂ نساء آیت نمبر ۱۴۷ میں ارشاد ربانی ہے:

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِراً عَلِيْماً o

اگر تم شکر بجالاؤ اور ایمان لاؤ تو خدا تم کو عذاب دیکر کیا کریگا؟ اور اللہ تعالیٰ تو قدر پہچاننے والا اور علم والا ہے۔

حمد کا پورا پورا ترجمہ ''تعریف اور شکر'' صحیح ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں لفظ ''حمد'' کو شکر کے مفہوم میں بھی ادا کیا گیا ہے۔

سورۂ اعراف آیت نمبر ۴۳ میں ہے:

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا ۔

انہوں نے کہا شکر کا سزاوار ہے اللہ جس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی۔

سورۂ یونس میں ہے:

وَ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

ان کی آخری صدا یہ ہوگی کہ شکر ہے اللہ کے لئے جو سارے عالم کا رب ہے۔

سورۂ ابراہیم آیت نمبر ۳۹ میں ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمَاعِيْلَ وَ اِسْحَاق ۔

شکر ہے اللہ کے لئے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمایا۔

شکر ادا کرنے کے لئے تین شرطوں کو پورا کرنا ہوگا

صرف زبان سے شکر ادا کر لینے سے شکر ادا نہیں ہوتا بلکہ شکر ادا کرنے کے لئے تین شرطیں پوری کرنی ہوں گی:

(۱) دل میں عظمت واحترام (۲) زبان سے اعتراف (۳) عمل سے اظہار۔

ان تینوں کا مجموعہ ہے ''قدر شناسی'' بس شکر کے معنی ہوئے قدر شناسی یعنی دل میں نعمت عطا کرنے والے کی عظمت واحترام کا جذبہ پیدا ہو پھر اس نعمت کے عطا ہونے کی وجہ سے زبان پر اس کا اقرار ہو نیز یہ کہ اس نعمت کو مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کر کے عملی زندگی میں نعمت کا صحیح استعمال ہو تب کہیں جا کر نعمت پر شکر ادا کرنے کی حالت پیدا ہوگی، مثلاً (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں) اگر کوئی شخص کسی انسان کو گھڑی تحفہ میں دے تا کہ وہ اس گھڑی سے مدد لے کر اپنے کاروبار وقت پر کرتا رہے پھر اگر وہ انسان گھڑی لینے کے بعد اپنے دل میں اس گھڑی والے کی عزت ومحبت کا احساس رکھے، زبان سے اس احساس کا اظہار کرے اور پھر اس کو جس مقصد کیلئے دیا گیا ہے اس کے مطابق استعمال کرے تو حقیقت میں یہ تحفہ دینے والے کی شکر گذاری ہوگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کو جتنی نعمتیں عطا فرما رہا ہے تو انسان کو چاہئے کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی اور محبت اپنے دل میں پیدا کرے اور اس کا اعتراف اپنی زبان سے کرے اور پھر عملی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لئے وہ نعمتیں دی ہیں ان کو وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اس کا اظہار کرے تو یہ کیفیت شکر گذار بندہ بننے کی ہوگی۔

شکر کا الٹا کفر یا ناشکرا پن ہوگا

شکر کا الٹا کفر یا ناشکرا پن ہوگا، اس کے لغوی معنی محاورہ میں کسی کے احسان وانعام کا انکار کرنا یا چھپانا اور دل وزبان سے اس کا اقرار نہ کرنا اور عمل سے اس نعمت کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرتے ہوئے بغاوت ونافرمانی کا اظہار کرنا۔

مثلاً کوئی شخص کسی کو ایک انتہائی قیمتی کپڑا دے تا کہ وہ اس کپڑے سے اپنے جسم کو ڈھانکے، اب اگر کپڑا لینے والا کپڑا لیکر نہ اس کا شکریہ ادا کرے اور نہ دل سے اس کی عزت کرے بلکہ الٹا کپڑے سے اسی کے سامنے جوتا، چپل یا پیر پونچھنے اور کپڑے کو آگ سلگانے میں استعمال کرے تو یہ ناشکرا پن اور کفرانِ نعمت ہوگی، یا کوئی شخص کسی غریب آدمی کو مدد کرنے کے لئے پچاس روپے دئے اب وہ غریب انسان پچاس روپے لیکر زبان سے تو بظاہر اس آدمی کا شکریہ ادا کرے مگر عمل سے اسی کے سامنے ان پچاس روپیوں سے شراب یا گانجہ خریدے یا زنا کرے تو

غور کیجئے کہ کیا یہ قدر دانی ہوگی؟ نعمت دینے والے کو تکلیف ہوگی اور ہماری زبان میں یہ کفرانِ نعمت ہوگی اور وہ جو اس نے پچاس روپے ملنے پر زبان سے شکریہ ادا کیا ہے مگر عمل میں اس نعمت کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کیا ہے تو گویا اس کا یہ زبانی شکریہ بھی صحیح ادا نہ ہوا بلکہ اس نے ایک رسم ادا کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو بات دل میں ہوگی اس کا اظہار اعضاء سے ہوگا، چونکہ دل میں اس احسان کرنے والے کے تعلق سے ادب واحترام اور محبت پیدا نہ ہوئی اس لئے بظاہر زبان سے شکریہ ادا کرنے کے باوجود عملی زندگی میں وہ ناشکری کا مظاہرہ کررہا ہے، لفظ کفر اور لفظ کفران دونوں کا مادہ ایک ہی ہے، کفر سے زیادہ برا کوئی لفظ اسلام کی لغت میں نہیں، اللہ پاک کے احسانوں اور نعمتوں کو بُھلا کر دل سے اس کا احسان مند نہ بننا ہی کفران اور ناشکرا پن ہے۔

زبان سے نعمتوں کا اقرار اور عمل سے اطاعت وفرمانبرداری ظاہر نہ کرنا بھی کفران ہے، جس طرح کفر اسلام کی نگاہ میں بدترین خصلت ہے اسی طرح شکر سب سے بہتر اور اعلیٰ صفت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفر اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور نعمتوں کی ناقدری اور اس کی نافرمانی کا نام ہے، شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کی قدر جان کر اس کے احکام کی اطاعت اور دل سے فرمانبرداری کی جائے، اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکر ایمان کی جڑ، دین کی اصل اور اطاعت الٰہی کی بنیاد ہے اور اسی شکر کی وجہ سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدر وعظمت، محبت واحترام پیدا ہوتا ہے اور اسی قدر وعظمت، محبت واحترام کے قولی اور عملی مظاہرہ کا نام شکر ہے، شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر ہی کے دائرہ میں داخل ہے، ساری عبادتیں شکر ہی میں داخل ہیں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوکر عبادتوں میں مشغول ہوتے ہوئے اور خوب دعائیں واستغفار کرتے ہوئے دیکھ کر کسی نے سوال کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ یارسول اللہ! آپ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہیں پھر بھی آپ اتنی زیادہ مشقتیں کیوں اٹھاتے ہیں، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں! (ترمذی: ۱/۴۹)

شکر گذار انسانوں اور ناشکرے انسانوں کی مثالیں

ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا شکر

ایمان والا بندہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان بنا کر تمام مخلوقات میں سب سے اونچا مقام عطا فرمایا ہے اس لئے ساری مخلوقات چھوٹی اور وہ بڑا ہے، پھر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ دن رات وہ اللہ تعالیٰ ہی کا کھاتا، اللہ ہی کا پیتا اور اللہ ہی کی ہوا استعمال کرتا ہے اور اسی کی زمین پر رہتا اور اسی کے آسمان کے نیچے سوتا ہے، لہٰذا اس کو اپنے مالک کا شکر گذار بندہ بننا ہوگا، پس وہ اسی جذبۂ شکر کی وجہ سے اپنے مالک کے سامنے ہر روز پانچ مرتبہ رکوع وسجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر بار بار عملی طور پر ادا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کئے رہتا ہے۔

ناشکرے انسانوں کی مثال

غیر مسلم انسان اللہ کو کسی نہ کسی صورت میں بڑا مانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر رہتا، اسی کی غذائیں کھاتا، اسی کی ہوا استعمال کرتا اور اسی کے آسمان کے نیچے سوتا ہے مگر پھر بھی یا تو وہ جان بوجھ کر اپنے مالک وپروردگار کا انکار کر بیٹھتا ہے یا پھر اللہ کو بڑا مانتے ہوئے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہراتا ہے اور پھر عملی طور پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے غیر اللہ کے سامنے جھک کر مخلوقات کا شکر ادا کرتا رہتا ہے، چنانچہ کبھی بت کی پوجا کرتا ہے تو کبھی درخت، جانور اور سورج وغیرہ کے سامنے جھکتا ہے وغیرہ وغیرہ، اس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ناشکرا پن کا ثبوت دیتا ہے۔

دولت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا شکر

شکر گذار انسان دولت کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ، انعام و احسان سمجھتا ہے اور زبان سے بار بار الحمدللہ ادا کرتا رہتا ہے پھر اس دولت میں غریبوں، مسکینوں کا بھی حصہ سمجھتا ہے اور صرف اپنی ذات پر ہی نہیں بلکہ غریبوں اور یتیموں کی مدد کرنے اور دین کو پھیلانے میں خرچ کر کے خوشی محسوس کرتا ہے اسطرح دولت کے ذریعہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

دولت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری

ناشکرا انسان دولت کو اپنی ذاتی ملکیت اور اپنا حق سمجھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا احسان و انعام نہیں سمجھتا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے دولت کی پوجا کرتا ہے، اس دولت میں اللہ کے غریب بندوں کا حصہ بھی نہیں سمجھتا اور اس پوری کی پوری دولت کو اپنی ہی ذات پر خرچ کر کے خوش ہوتا ہے، اُسے دولت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت اور دین کو مٹانے میں خرچ کرنے میں بڑا مزا آتا ہے۔

طاقت واقتدار کے ذریعہ اللہ کا شکر

شکر گذار بندہ اللہ تعالیٰ کو حقیقی طاقت واقتدار والا سمجھ کر اپنی طاقت واقتدار کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتا ہے اور اس کے استعمال میں کمی اور زیادتی کے ہوجانے پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینے کا احساس رکھتا ہے چنانچہ اسی خوف کی وجہ سے وہ اپنے کو چھوٹا اور اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا سمجھتا ہے اور ہر وقت وہ اپنی اس طاقت واقتدار کے ذریعہ لوگوں کو حق دلانے اور کمزور مظلوموں کی مدد کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

طاقت واقتدار کے ذریعہ اللہ کی ناشکری

اس کے برعکس ناشکرا انسان اقتدار وطاقت کے ملتے ہی اس کو اپنا کمال سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول کر اپنے اقتدار کے گھمنڈ میں غرور وتکبر کرتا ہوا اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم وزیادتی کا کوئی احساس نہیں رہتا اور نہ وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے پاس جواب دینے کا ذمہ دار سمجھتا ہے، وہ ہمیشہ اپنی اس طاقت واقتدار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا حق مارتا رہتا ہے۔

صحت وتندرستی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا شکر

شکر گذار انسان صحت وتندرستی اور جسم کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر دل وجان سے ادا کرتا رہتا ہے اور اسی جذبۂ شکر کی وجہ سے وہ اپنی صحت وتندرستی اور جسمانی

اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا چاہتا ہے۔

صحت وتندرستی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری

ناشکرا انسان صحت وتندرستی اور جسم کو نہ اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتا ہے اور نہ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر یاد آتا ہے بلکہ وہ اپنے جسم کو اپنی ہی ذاتی ملکیت سمجھ کر اس کو اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ استعمال کرتا رہتا ہے۔

اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا شکر

شکرگار بندہ اولاد (لڑکا یا لڑکی) ملنے پر اللہ تعالیٰ کا دل وجان سے شکر ادا کرتا ہے اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اللہ کی مرضی کے مطابق ان کی تربیت کرتا ہے اور ان کو اپنی خدمت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگاتا ہے، یہ اولاد کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری

ناشکرا انسان اولاد (لڑکا) ملنے پر خوش ہوتا، فخر وغرور کرتا ہے اور اکڑتا ہے اور لڑکیاں پیدا ہوجائیں تو اپنی صورت جلالیتا ہے، اولاد کو اللہ تعالیٰ کی امانت نہیں سمجھتا اس کو اولاد سے صرف اپنی خدمت وفرمانبرداری کا ہی خیال رہتا ہے اور اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر کوئی تکلیف نہیں ہوتی چنانچہ وہ اولاد کو اپنا خدمت گذار اور اللہ کا باغی بنادیتا ہے۔

اسی طرح کسی انسان کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے تو وہ علم کے ملنے پر اللہ تعالیٰ ہی کو حقیقی علیم سمجھتا ہے اور ہر طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اس علم سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو فائدہ پہنچا کر علم کے ملنے کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔

غرض اسلام انسانوں کو نمک حرام اور احسان فراموش بننے سے روکتا ہے اور باقاعدہ احسان منداور شکرگذار بننے کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ انسان کو یہ عام عادت بھی ہے کہ جب اس پر کوئی دوسرا انسان احسان یا نصرت کا سلوک کرتا ہے تو یہ بار بار اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اس کے احسان یا مدد کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرکے اس کو خوش کرنے اور بھرپور عزت دینے کی

کوشش بھی کرتا ہے، دوسرے معنی میں اس کے اس احسان پر اس کا مطیع وفرمانبردار بن جاتا ہے، اس کے برخلاف خدا کے ساتھ انسان کا معمول بڑا ہی بے شعوری، ناقدری اور ناشکری کا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر رہتے ہوئے اللہ کا کھاتے ہوئے، اللہ کا پیتے ہوئے اسی کے آسمان کے نیچے سوتے ہوئے یا تو سرے سے اس کا انکار کرتا ہے یا اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک بنا دیتا ہے یا اس کی نعمتوں کو گناہوں میں استعمال کر کے ناشکرا بندہ بنا رہتا ہے چنانچہ ناشکرا پن کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ نعمت تو یاد رہے مگر نعمت دینے والے کو بھول جائے یا نہ مانے اور ناشکرے پن کی دوسری علامت یہ بھی ہے کہ نعمت کو معصیت میں استعمال کرے۔

حالانکہ انسانوں کو یہ سوچنا اور سمجھنا چاہئے کہ ان پر اور دوسری تمام مخلوقات پر جو بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانوں ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں، ان کے حقیقی مالک اور پروردگار کے کتنے احسانات و انعامات رات دن ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہر گھڑی ہر آن عطا فرما کر انسانوں ہی کی نہیں بلکہ انسانوں کی خاطر سارے عالم کی ربوبیت فرما رہا ہے اس لئے انسانوں پر لازم ہے کہ جب وہ اپنے حقیقی مالک و پروردگار کے احسانات وانعامات سے رات دن ہر گھڑی ہر لمحہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور پرورش پا رہے ہیں تو وہ اپنے مالک کے شکر گذار اور احسان مند بندے بننے کیلئے اس کو مانیں، اس کی دل میں عزت واحترام ومحبت پیدا کر کے اپنی زبان سے اس کا اعتراف کریں اور اس کی نعمتوں کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کر کے عملی زندگی میں اس کا اظہار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اکثر انسانوں کے ناشکرا ہونے کو یوں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ ۔

اور ہم نے تم کو زمین میں قوت بخشی اور اس میں تمہارے لئے بسر اوقات کے بہت سے ذریعے بنائے، تم بہت کم شکر کرتے ہو

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ ۔ (عبس:۱۰)

مارے جائیں انسان کتنا بڑا ناشکرا ہے۔

شکر کے مفہوم کو سمجھنے میں مسلمانوں کی غلط فہمی

اکثر مسلمان یہ خیال رکھتے ہیں کہ شکر کی ادائیگی کے لئے محض زبان سے الحمدللہ کہہ دینا کافی ہے اسی لئے مختلف نعمتوں کے ملتے ہی فوراً الحمدللہ کہتے ہیں مگر عملی میدان میں ان نعمتوں کو

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرتے ہیں یعنی نعمت کو معصیت میں استعمال کرتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ شکر کے مفہوم کو صحیح طور پر نہیں جانتے، ان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ صرف زبان سے الحمد للہ کہہ دینے سے شکر ادا نہیں ہوتا بلکہ شکر در اصل دل کے اس لطیف احساس کا نام ہے جس کے سبب ہم اپنے محسن سے محبت رکھتے اور ہر موقع پر اس کے احسان کا اعتراف کرتے اور زندگی کے ہر قدم پر عمل سے اس کا اظہار کرتے ہیں، چنانچہ اسی جذبۂ شکر کی سب سے بڑی شکل مومن نماز میں قیام کر کے رکوع اور سجدہ کرتا ہوا اپنے آپ کو شکر گذار اور احسان مند بندہ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور اسی شکر کے جذبہ کی وجہ سے اپنے آپ کو پورا پورا اپنے مالک کے حوالہ کر دینا چاہتا ہے اور نماز کے بعد والی زندگی مثلاً کھانا کھانے، پانی پینے، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے، طہارت خانے میں جانے اور نکلنے، سونے اور جاگنے غرض کہ زندگی کے ہر موقع اور ہر موڑ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دعاؤں کو دہراتا رہتا ہے تا کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہو اور زبان سے اس کا شکر ادا کیا جائے لیکن اگر فعل اور قول میں فرق ہو تو سمجھنا چاہئے کہ حقیقت میں دل سے شکر ادا نہیں ہو رہا ہے، مثلاً دولت ملتے ہی کوئی شخص زبان سے الحمد للہ کہدے لیکن عملی زندگی میں اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اسلام کی مخالفت میں استعمال کرے یا دین وملت کے تقاضوں میں خرچ نہ کرے تو یہ شکر نہیں ناشکرا پن ہوگا، سورۂ سبا:۲ میں ہے:

اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْراً وَّ اعْمَلُوْا صَالِحاً ۔ اے داؤد کے گھر والو شکر ادا کرو اور نیک عمل کرو۔

سورۂ نمل:۲ میں ہے

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنِ اشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنِ اعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ ۔ اے میرے پروردگار مجھے نصیب کر کہ میں تیرے اس احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا ہے شکر کروں اور وہ نیک کام کروں جو تجھے پسند ہو۔

ان آیات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ شکر کا اثر صرف زبان تک ہی محدود نہ

رہے بلکہ شکر عمل سے بھی ظاہر ہو یعنی شکر میں شکر کے دلی جذبہ کے ساتھ اسی کے مطابق اور مناسب نیک عمل بھی ہو۔

مگر موجودہ زمانہ کے اکثر مسلمانوں کی حالت اس کے بالکل خلاف ہے وہ کھانا کھانے، پانی پینے، چھینک آنے اور مزاج پرسی کرنے میں باقاعدہ الحمدللہ کہہ کر شکر ادا کرتے مگر وہ شادی بیاہ میں کمانے اور خرچ کرنے میں، جسم کو استعمال کرنے میں، عہدہ کرسی اور اقتدار میں، معاملات اور کاروبار میں، لباس پہننے میں شکر گذار بندے نظر نہیں آتے، یہاں تک کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مسلمان ہوتے ہوئے شکر کا جو سب سے بڑا اور اعلیٰ طریقہ نماز ہے اس کو بھی ادا نہیں کرتے۔

مخلوقات کے ساتھ احسان کرنا بھی شکر میں داخل ہے

اسلام نے انسانوں کو اشرف المخلوقات بنا کر تہذیب و اخلاق سے آراستہ کیا اور اس کو دوسروں کی غمگساری، ہمدردی، محبت اور مدد کرنے یا اپنے محسن کا احسان ماننے کی تربیت دی ہے، بندوں کے ساتھ حسن سلوک، خدمت، محبت اور نیک برتاؤ کرنے کی حقیقت بھی شکر ہی ہے، چنانچہ شکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی محسن نے جس قسم کا احسان ہمارے ساتھ کیا ہو اسی قسم کا احسان ہم بھی اس کے ساتھ کریں مگر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے نیاز ذات کے ساتھ اس قسم کا کوئی شکر ادا نہیں کیا جا سکتا مگر اس قسم کا شکر یہ ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو احسان فرمایا ہے اسی قسم کا احسان ہم اس کے بندوں اور مخلوقات کے ساتھ کریں۔

سورۂ قصص: ۱۸ میں ہے ارشاد باری ہے:

وَ اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ ۔ اور جس طرح اللہ تمہارے ساتھ بھلائی کی تم بھی بھلائی کرو۔

سورہ بقرہ: ۳۲ میں ارشاد باری ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضاً حَسَناً ۔ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتا ہے۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص بندوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر یہ بھی ادا نہیں کرتا۔ ترمذی شریف کی ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ اپنے محسن کو جزاک اللہ خیراً کہے تو اس نے اس کی تعریف میں کوئی کسر نہیں رکھی، اللہ تعالیٰ نے یہ

بھی وعدہ فرمایا ہے کہ انسان میری نعمت پر میرا شکر ادا کرے گا تو نعمت کو زیادہ کر دوں گا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ فَاِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ ۔ (ابراہیم:۲)

اگر تم شکر ادا کرو تو میں تم کو اور بڑھا کر دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

سورۂ قمر آیت:۲ میں ارشاد ہے:

كَذَالِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ ۔

ہم اسی طرح جزاء دیں گے اسکو جس نے شکر ادا کیا۔

اور سورۂ آل عمران آیت:۱۵ میں ارشاد ہے:

وَ سَنَجْزِى الشَّاكِرِيْنَ ۔

اور ہم شکر کرنے والوں کو جزاء دیں گے۔

خدا نے اپنے شکر گذار بندوں کے حق میں جو یہ فرمایا کہ وہ جیسے جیسے شکر کرتے جائیں گے میں ان کے لئے اپنی نعمتوں کی مقدار و تعداد اور کیفیت و برکت بھی بڑھاتا جاؤں گا، اسکا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب شکر کے عمل کو صرف زبان تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ عمل سے بھی اس کو ظاہر کرتا ہے تو وہ جیسے جیسے اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کیلئے عمل میں سرگرم ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکرانہ عمل کی ہر نئی سرگرمی کے جواب میں بندہ کو عظیم سے عظیم تر اور نئی نئی نعمتیں اور توفیق عنایت ہوتی جاتی ہے۔

''شکر'' کے ذریعہ انسان کو کس چیز کی تعلیم دی جارہی ہے؟

اس سے پہلے ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں وہ نہ کسی کی عبادت کا محتاج ہے اور نہ اس کو انسانوں کی دولت چاہئے اور نہ ان کے ''شکریہ اور حمد'' کا محتاج ہے وہ تو ''غنی'' ہے اور ''حمید'' یعنی حمد سے بھرا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا بار بار تقاضا اس لئے بھی کیا کہ ہم یہ نہ سمجھنے لگیں کہ خدا کے فضل و کرم کے سوا ہم ان نعمتوں کا کوئی حق خود بھی رکھتے تھے کیونکہ ان کے لئے نہ کوئی ہمارا خاندانی حق تھا نہ کوئی ہمارا ذاتی علمی یا عملی حق، جو کچھ ملا اس کے فضل و کرم سے ملا اور جو کچھ ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہوگی، انسان اپنی روزمرہ کی متواتر بخششوں کو جو زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں دیکھ کر اور ان کے دیکھنے کا عادی ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے ساتھ

اللہ تعالیٰ کی یہ کوئی بخشش نہیں بلکہ فطرت کی عام بخشش ہے جس کے شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں مگر خوب سمجھنا چاہئے کہ یہی وہ بیج ہے جس سے کفر اور الحاد کی کونپلیں نکلتی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی ایک ایک عنایت اور بخشش کو گنوایا ہے اور اس پر شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے تاکہ ربوبیت الٰہی کا یقین اس کے ایمان کے بیج کو سیراب کرتا رہے اور وہ شکر کے اس جذبہ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے ہاتھ پاؤں سے بھی پورا کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں ایک شکر ہی کا جذبہ پیدا ہو جائے تو دین و دنیا میں بھلائی کے لئے اس کو کسی اور تنبیہ کی ضرورت نہیں، وہ خدا کی نعمتوں کی قدر جان کر اس کو مانے گا اور اس کے حکموں پر چلے گا، اس کے بندوں کے ساتھ بھلائی کرے گا اور خود بندوں کے احسانات کے جواب میں بھی ان کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرے گا، بس زبان سے اس فرض کے ادا کرنے کا نام اللہ تعالیٰ کے تعلق سے قرآن کی اصطلاح میں حمد ہے جس کے مطالبہ سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اور یہی سبب ہے کہ حمد الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کاملہ کا ذکر ہوتا ہے جو ان احسانوں اور نعمتوں کی پہلی اور اصلی محرک ہیں اسی لئے یہ کہنا چاہئے کہ جس طرح سارے قرآن کا نچوڑ سورۂ فاتحہ ہے تو سورۂ فاتحہ کا نچوڑ خدا کی حمد ہے اسی بناء پر قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے اور سورۂ فاتحہ کا آغاز حمد سے ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنا مخلوقات کے بس کی بات نہیں

کائنات کی کوئی بھی مخلوق یہ استعداد نہیں رکھتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شایان شان حمد و ثناء بیان کر سکے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ ۔ یعنی میں آپ کی ثناء کما حقہ نہیں کر سکتا''۔ اس لئے اللہ جل شانہ نے خود ہی حمد و ثناء کا طریقہ انسان کو تعلیم فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حساب لگانا کسی کے بس کی بات نہیں، سورۂ ابراہیم کی آیت: ۳۴ میں ہے:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی ان نعمتوں اور احسانات کے برابر اللہ تعالیٰ کا

شکر ادا نہیں کرسکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان محدود، انسان کا دماغ محدود، انسان کی عقل، سوچ، فکر اور جذبات سب کے سب محدود، محدود ہوکر لامحدود افعال (کام) کیسے انجام دے سکتا ہے؟ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود ہیں اور انسان کا شکر محدود ہے اس لئے انسان جتنا بھی شکر ادا کرے گا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں کم ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے کلمات بھی انسان کو سکھادئے ہیں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ انسان شکر ادا کرے اور یوں کہے کہ اے اللہ! میں عاجز ہوں اور تیرا صحیح شکر ادا نہیں کرسکتا، تیری نعمتیں بے شمار ہیں اور میرے اندر محدود طاقت، محدود فکر اور محدود علم اور محدود جذبات ہیں، تیرا شکر ویسا ادا نہیں کرسکتا جیسا کہ تیرا حق ہے، یہ تو بس تیرا احسان وانعام وفضل ہے کہ تو نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی تعریف اور شکر کے کلمات سکھائے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ: اے داؤد! ہمارا شکر ادا کرو، حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! بیشک یہ میرا فرض ہے، میں شکر ضرور ادا کروں گا، جب تیرا حکم ہے تو میں تعمیل کروں گا مگر (میرے رب) میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شکر ادا کروں تو کس طرح کروں اس لئے کہ جب شکر ادا کرنے بیٹھوں گا تو شکر ادا کرنے کی توفیق آپ ہی دیں گے اور توفیق بھی نعمت ہے، پھر اس نعمت پر مجھے شکر ادا کرنا چاہئے تو پھر ہر شکر سے پہلے (شکر ادا کرنے کی توفیق کی وجہ سے ایک نعمت ملتی ہے) اور شکر لازم ہوتا ہے اس طرح میں شکر ادا کروں تو کس طرح کروں؟ میں تو بالکل عاجز ہوں، میرے بس میں نہیں کہ آپ کی نعمتوں پر شکر کا حق ادا کروں۔

حق تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے جواب آیا: اے داؤد! اگر تو نے یہ سمجھ لیا کہ شکر ادا کرنے سے عاجز ہے تو یہی شکر کی ادائیگی ہے کہ اپنا عجز مان لو، اپنی ناتوانی تسلیم کرلو، کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

انسان کی ذات میں کوئی کمال نہیں، کمال درحقیقت جو بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، انسان کی اپنی ذات تو گندگی ہی ہے، انسان کا سب سے بڑا کمال ایمان ہے مگر اس پر بھی اکڑنا غرور کرنا ٹھیک نہیں، شکر کرنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی ورنہ جیسے دنیا میں سینکڑوں کفار اور مشرک پھرتے ہیں اگر ہمیں بھی ان ہی میں کردیتا تو ہماری کیا مجال تھی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے اسلام کا احسان اللہ تعالیٰ پر نہیں کرنا چاہئے:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَا تَمُنُّوْا عَلَيَّ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ ۔ (الحجرات)

یہ لوگ اپنے ایمان لانے کا آپؐ پر احسان رکھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا چاہئے کہ اس نے ایمان کی عظیم الشان دولت سے تم کو مالا مال کیا اور توفیق دی، بادشاہ کے خادم کو بادشاہ پر احسان نہیں رکھنا چاہئے کہ وہ اس کی خدمت کر رہا ہے بلکہ اس کو بادشاہ کا احسان ماننا چاہئے کہ اس نے اس کو خدمت کیلئے چن لیا ورنہ بادشاہ کے ہزاروں لوگ خدام بننے کی خواہش رکھتے ہیں اگر انسان کو سمجھ میں یہ بات آجائے تو وہ زبان سے الحمد للہ کا ترانہ پڑھتے ہوئے شکر گذار بندہ بننے کے لئے اپنے مالک حقیقی کے سامنے رکوع اور سجدہ میں بار بار جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا احسان مند بننے کی کوشش کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دل کی گہرائیوں کے ساتھ) الحمد للہ کہنا بہترین شکر ہے۔ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ کا تعارف اور پہچان (معرفت) حاصل کرنے اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کو سمجھنے کیلئے ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے ضرور دیکھئے اور بچوں کو پڑھایئے، معرفت الٰہی کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا، آج مسلمان اللہ کی پہچان ہی صحیح نہیں رکھتے اس لئے ان میں کثرت سے شرک آگیا ہے اللہ کی پہچان حاصل کرکے اپنے ایمان کو صحیح کیجئے اگر ایمان صحیح نہ ہوگا تو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور دوسرے اعمال وعبادات قبول نہیں کئے جائیں گے ،اعمال کی قبولیت کے لئے صحابہ کرامؓ جیسا خالص ایمان چاہئے۔

لِلّٰہِ

اللہ تعالیٰ کے لئے

''لِ'' کے معنی ہیں ''لئے'' اور ''**اللّٰہ**'' اسم ذات ہے۔

لفظ ''اللہ''۔ ''الٰہ'' سے بنا ہے یعنی وہ ذات جس کی طرف ہر مخلوق اپنی اپنی ضروریات اور حاجات لیکر والہانہ انداز میں جائے، خوف وامید کیساتھ جائے اور پھر اس کے پاس اپنی ضرورت کی چیزیں پالے، اس کیفیت کو مجموعی طور پر والہانہ کہا جائے گا جیسے بچہ بھوک کے وقت پوری تڑپ، امید اور محبت کے ساتھ اپنی ماں کی طرف لپکتا ہے، بچہ کی یہ حالت اس لفظ والہانہ کی کیفیت کو کچھ سمجھا سکے گی۔

ہر زمانہ کے آثار قدیمہ کی تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر زمانہ کی متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوموں نے ایک بڑی ذات کو ضرور مانا ہے اور کسی زمانہ میں بھی سامانِ تمدن، اعلیٰ خیالات اور علوم کی لاکھ کمیوں کے باوجود انسانی معاشرہ خدا کا انکار کرنے والا نہ تھا، ہر زمانہ کے انسانوں کو تقریباً یہ بات معلوم تھی کہ ہر قسم کی مصیبت اور پریشانی میں جس ذات کو پکارا جاسکتا ہے اور ہر مجبوری ومحتاجی میں جس ذات کی مدد مانگی جاسکتی ہے اور جس کو مرجع بنایا جاسکتا ہے اور پوری امید کے ساتھ جس کو پکارا جاسکتا ہے اور جو ذات ناکام واپس کرنے والی نہیں ہے وہ صرف اکیلی ذات ہے جس کا نام ''اللہ'' ہے جس کو وہ گاڈ یا ایشور، پربھو، پرماتما وغیرہ کے ناموں سے پکارتے تھے، آج بھی غیر مسلموں پر جب بھی کوئی آفت، مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو وہ اپنے سب خداؤں کو چھوڑ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے اور فریاد کرتے ہیں۔

یہ نام ابتداء ہی سے صرف خدائے برتر کے لئے ہی خاص رہا، اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی عرب کے لوگ مشرک ہونے کے باوجود اپنے دیوتاؤں میں سے کسی کو بھی اللہ کے برابر قرار نہیں دیتے تھے، ان کو اس بات کا اعتراف تھا کہ آسمان وزمین اور تمام مخلوقات کا خالق صرف اللہ ہی ہے، وہ سب سے بڑا ہے مگر ان کا یہ بھی عقیدہ تھا اور آج کے غیر مسلموں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے مختلف کام

بڑے خدا نے چھوٹے چھوٹے خدا مقرر کر کے ان کے حوالہ کر دیا ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے خدا مخلوقات کی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں، چنانچہ اس آیت میں انسانوں کو ان کی فطرت کی طرف دعوت دی گئی ہے کہ جب وہ اللہ کو کائنات میں سب سے بڑا مانتے اور اپنا خالق و مالک جانتے ہیں تو وہ اللہ ہی کو اپنا رب بھی مانیں کیونکہ جو ذات رب اور مالک ہوگی وہی ضروریات کو پورا کرنے والی بھی ہوگی، مصیبت بھی دور کرے گی اور خوشی کے لمحات بھی وہی عطا کرے گی، اس لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ میں صاف اعلان کر دیا گیا اور انسانوں کو اس بات کا اعتراف کرنے کا حکم دیا گیا کہ ساری تعریف و شکر صرف اللہ واحد کیلئے سزاوار ہے جو نہ صرف انسانوں کو بلکہ ہر مخلوق کی ہر ضرورت و حاجت کو تنہا پورا فرما رہا ہے اور اسی کی وجہ سے ساری مخلوقات کو ضرورت کی ہر چیز حاصل ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام بے شمار ہیں ان بے شمار ناموں میں لفظ ''اللہ'' سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جامع نام ہے، اس نام کو زبان پر لاتے ہی تمام صفات الٰہی کا تصور آجاتا ہے گویا یہ نام تمام صفات الٰہی کا مجموعہ ہے، بعض علماء نے اس کو اسمِ اعظم کہا ہے، یہ نام اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا۔

تقلیدی، نسلی، خاندانی، روایتی، فقہی اور بے شعوری والے ایمان سے اعمال پیدا نہیں ہوتے اس لئے ایمان کو حقیقی اور شعوری بنایئے تاکہ ہم اور ہمارے بچے شعور کے ساتھ اسلام پر چل سکیں اور اعمال اختیار کر سکیں، نجات و کامیابی شعوری اور حقیقی ایمان میں ہے، وحی و رسالت کی تعلیم طوطے کی طرح رٹا کر یا دلانے سے یا گائے بیل بھینس کی طرح موٹی موٹی لکڑیوں سے پیٹ کر دینے سے دینی تعلیم میں شعور نہیں آتا اور نہ بچہ ایمان والا بن سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچوں کو ہر روز آدھا گھنٹہ شعور کے ساتھ دینی تعلیم دی جائے۔

اور شعور کے بیدار کرنے کے لئے ہماری کتاب

تعلیم الایمان کے تمام حصے ضرور پڑھایئے۔

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o

ساری کائنات کی پرورش کرنے والا

''رَبّ'' کے معنی مربی کے ہیں یعنی تربیت کرنے والا، اردو میں اس کا ترجمہ پروردگار ہے یعنی شئے ناقص کو محبت کے ساتھ رفتہ رفتہ ترقی دے کر درجۂ کمال تک پہنچانا اس کو ربوبیت کہتے ہیں۔

''العالمین'' عالم کی جمع ہے، عالم کے معنی عربی زبان میں جاننے کا آلہ، وہ چیز جس سے کسی چیز کو جانا جائے تو اس کو عربی زبان میں عالم کیا جاتا ہے یعنی (جاننے کا ذریعہ) یہاں دنیا کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ دنیا کی تخلیق اور حسن انتظام سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم وعرفان ہوگا۔

پوری کائنات کا ایک ایک ذرہ یعنی اس کی تمام مخلوقات پھر ان کی ایک ایک قسم جن کی پرورش ونگہداشت صرف اللہ ہی کر رہا ہے، وہ تمام چیزیں اللہ کو جاننے اور پہچاننے کا آلہ اور ذریعہ ہیں، دنیا میں انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہیں دیکھ سکتا ہاں صفات کے اعتبار سے اسے پہچان سکتا ہے، اگر وہ سنجیدگی کے ساتھ اس کائنات کی کسی چیز میں بھی غور وفکر کرلے تو بڑی آسانی سے اللہ کو پہچان لے گا، اللہ کو پالے گا اور اللہ کے وجود کا اقرار کئے بغیر نہیں رہے گا، اس کو کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی صفات، خالقیت، ربوبیت، رحمت، مالکیت، حاکمیت، نظامِ عدل، مصوری، حکمت، قدرت وغیرہ وغیرہ ہی نظر آئیں گی۔

بہت بڑے مفسر حضرت قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بے شمار عالم ہیں، مثلاً انسانوں کا عالم (پھر ان میں مردوں کا الگ ایک عالم اور عورتوں کا الگ عالم) حیوانات کا ایک عالم پھر اس میں ان کی جتنی قسمیں ہیں، مثلاً چرندوں، پرندوں، درندوں، حشرات الارض ان کے الگ الگ عالم، نباتات کا ایک عالم، پھر ان کی جتنی قسمیں ہیں ان کا الگ الگ عالم، معدنیات کا ایک الگ عالم، پھر ان کی جتنی قسمیں ہیں ان کے الگ الگ عالم، زمین کا ایک عالم اور پھر زمین

کی مختلف قسموں، ریگستانوں، پہاڑوں، جنگلوں ہر ایک کے الگ الگ عالم، سمندروں کا ایک عالم ، ہواؤں کا ایک الگ عالم، سورج کا ایک الگ عالم، چاند اور ستاوں کے الگ الگ عالم، فرشتوں کا ایک الگ عالم، جنات کا ایک الگ عالم، جنت کا ایک عالم، دوزخ کا ایک عالم۔

غرض کائنات کی ہر مخلوق اور ان کی پھر جتنی قسمیں ہیں وہ سب الگ الگ عالم ہیں، یہاں تک غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جتنے جاندار ہیں ان کی آنکھوں کا ایک عالم، ان کے کانوں کا ایک عالم، ان کی زبان، دل، دماغ، غرض ہر ذرہ ذرہ کے الگ الگ عالم نظر آئیں گے، وہ سب اللہ تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے کا ذریعہ اور آلہ ہیں اور کائنات کے ذرہ ذرہ کی پرورش ونگہداشت کرنے والی جو ذات ہے وہ اکیلا اللہ ہی ہے اور پوری کائنات اسی کی محتاج ہے اور اللہ کائنات کی ہر چیز کو ابتداء سے انتہاء تک پرورش کرنے والا ہے، چنانچہ اس آیت میں الحمد للہ کے ساتھ ہی صفت ربوبیت کو یاد دلایا جارہا ہے اور پھر رب کے ساتھ ہی العالمین کو جوڑ دیا گیا ہے تاکہ قرآنی مطالعہ کے آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی خصوصی صفت ربوبیت انسان کو مستحضر رہے۔

رب کے مفہوم کو سمجھئے

لفظ رب نکلا ہے ربوبیت سے، جس کا عام اور آسان مفہوم پرورش ونگہداشت کرنے والے کے ہیں، لیکن پرورش کو اس کے وسیع اور کامل معنوں میں لینا چاہئے، اگر ایک شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلادے یا محتاج کو روپیہ پیسہ دیدے تو یہ اس کا کرم ہوگا احسان ہوگا لیکن وہ بات نہ ہوگی جسے ربوبیت کہتے ہیں، ربوبیت کے لئے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہوتا رہے اور ایک وجود کو اس کی تکمیل کے لئے وقتاً فوقتاً جیسی جیسی ضرورتیں پیش آتی رہیں ان سب کا انتظام ہوتا رہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ یہ سب محبت وشفقت کے ساتھ ہو کیونکہ جو عمل محبت اور شفقت سے خالی ہوگا وہ ربوبیت نہیں ہوسکتا، یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہی خاص ہے کسی بھی مخلوق کو مطلق رب کہنا جائز نہیں کیونکہ ہر مخلوق خود محتاجِ تربیت یعنی محتاجِ پرورش ہے وہ کسی دوسرے کی کیا تربیت کرسکتی ہے؟

عام طور پر جب ہم کسی بچے سے سوال کرتے ہیں تم کس کے زیر پرورش ہو تو اس کا

مطلب صرف یہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ تم کو کھانا کون کھلاتا ہے؟ بلکہ پرورش کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم کو کھانا کون کھلاتا ہے، کپڑے کون بناتا ہے؟ اسکول کی فیس اور کتابیں کون دلاتا ہے؟ رہنے کے لئے مکان وغیرہ کا انتظام کون کرتا ہے؟ سواری کا خرچہ کون دیتا ہے؟ دکھ درد اور بیماریوں میں دوا کون کرتا ہے؟ بچہ کہتا ہے کہ میرے ماں باپ میری پرورش کرتے ہیں اس لئے پرورش کے معنی صرف کھانا کھلانے کے نہیں بلکہ ساری ضرورتوں کو پورا کرنے کا نام پرورش ہے۔

دنیا میں پرورش کی جو ذمہ داری ہر انسان اور جاندار کو دی گئی ہے وہ دراصل ایک نمونہ ہے ربوبیت الٰہی کا یعنی خدا کی پرورش کا، مخلوقات کی پرورش ناقص ہوتی ہے کیونکہ ہر ماں باپ اپنے بچوں کی، ہر شوہر اپنی بیوی کی اور ہر بادشاہ اپنی رعایا کی ہر ضرورت پورا کرنے کے قابل نہیں ہوتا، غرض دنیا میں جو پرورش کا نظام ماں باپ، شوہر، بادشاہ وغیرہ کے ذریعہ رکھا گیا ہے وہ ناقص ہے، انہوں نے نہ چاول پیدا کیا نہ گیہوں اور نہ ترکاریاں پیدا کیں اور نہ ہوا پیدا کی اور نہ پانی بنایا اور نہ جانور، کہیں کے گیہوں، کہیں کے چاول اور کہیں کی ترکاریاں اور کہیں کے جانور، ان کو یہ تک نہیں معلوم رہتا کہ یہ سب چیزیں کہاں کہاں پرورش پائیں، اگر یہ تمام چیزیں نہ ملیں تو وہ خود بھی زندہ نہیں رہ سکتے اس لئے ان کو مطلق رب نہیں کہا جاسکتا اور ان کے ذریعہ جو بھی پرورش کی جارہی ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی ربوبیت ہے جو ان کے ذریعہ ظاہر ہورہی ہے۔ رب کے عام اور آسان مفہوم کو ذہن نشین کرلیجئے کہ ہر مخلوق کی ہر ضرورت کو ہر گھڑی اور ہر عمر و ہر لمحہ محبت اور شفقت کے ساتھ مسلسل پوری کرتے رہنا۔

اس تشریح سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہونے کے ساتھ ساتھ وہی رب العالمین بھی ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا کائنات کی مخلوقات کی پرورش نہیں کرسکتا اور نہ کسی میں اتنی صلاحیت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ رب العالمین ہونے کے ناطے مخلوقات کی تمام ضرورتوں کا انتظام کرنا اس کے ذمہ ہے، مثلاً مخلوقات کی غذاؤں کا انتظام کرنا، مخلوقات کو سانس لینے کے لئے ہواؤں کا انتظام کرنا، مخلوقات کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کا انتظام کرنا، مخلوقات کی نسلوں کو باقی رکھنے کے لئے ان کی اولاد نسل کی افزائش کا انتظام کرنا، مخلوقات کی تھکان کو دور کرنے اور تازہ دم کرنے کے لئے نیند کا انتظام کرنا، مخلوقات کے رہنے سہنے کے لئے مکانات اور جگہ کا انتظام کرنا،

مخلوقات کی بیماریوں کو دور کرنے کے لئے دواؤں کا انتظام کرنا،مخلوقات کی ہدایت اور رہبری کے لئے علم عطا کرنا، اسی طرح مخلوقات میں مونث و مذکر کا انتظام کرنا،مخلوقات کو روزی کمانے کے طریقے سکھانا،اسی طرح تمام مخلوقات میں خاص طور سے انسانوں کو جانوروں کی پرورش کا طریقہ، درختوں کی پرورش کا طریقہ،زراعت کی پرورش کا طریقہ،زمین سے فائدہ اٹھانا،ہواؤں سے فائدہ اٹھانا، پانی سے فائدہ اٹھانا، پہاڑوں سے فائدہ اٹھانا، جانوروں سے فائدہ اٹھانا،سمندروں سے فائدہ اٹھانا،چاند سورج سے فائدہ اٹھانا،نیز آنکھوں،کانوں،زبان،دل ودماغ اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کے طریقے سکھانا، یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ رب ہونے کے ناطے ان تمام چیزوں کی پرورش یا تو براہ راست خود کرتا ہے یا اپنی دوسری مخلوقات سے کرواتا ہے۔

اسی طرح دن اور رات کا انتظام کرنا،موسموں کا انتظام کرنا، پیدائش اور موت کا انتظام کرنا،مخلوقات کو بچپن، جوانی اور بوڑھاپے سے گذارنا،محبت پیدا کرنا، زمین سے فساد اور شیطانیت کو دور کرنا، دعاؤں کو قبول کرنا،معاف کرنا،مخلوقات کو زندگی کے راستہ کی ہدایت دینا، عذاب نازل کرنا،انسانوں کی زندگی کا حساب لینا، جزا وسزا دینا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، دوسرے کو کوئی اختیار نہیں،وہ رب ہونے کے ناطے یہ سب کام کرتا ہے۔

ہر مخلوق کی پرورش کے تمام انتظامات موجود ہیں

اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کی ہر حالت میں اور ہر عمر میں پرورش ونگہداشت کے لئے جتنا سرو سامان ضروری تھا وہ سب کچھ پیدا فرمادیا،مثلاً بھوک مٹانے کے لئے غذائیں، پیاس بجھانے کے لئے پانی، غذائیں تیار کرنے کے لئے آگ،آرام کرنے کے لئے نیند اور رات، کاروبار کرنے کے لئے دن، زندگی بسر کرنے اور کھیتی کرنے کے لئے زمین،جسم ڈھانکنے کے لئے کپڑا اور لباس،سمجھ بوجھ کے لئے عقل وفہم،سماعت وبصارت کے لئے کان اور آنکھ، بات کرنے کے لئے زبان،ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے روپیہ پیسہ،سونا چاندی، لوہا اور دوسری معدنیات، پھل پھلاری، دواؤں،فرنیچر کے لئے نباتات،سواری، گوشت،انڈے اور دودھ کے لئے حیوانات، بیماریوں کو دور کرنے کے لئے دوائیں،سردی سے بچنے کے لئے گرم لباس،گرمی

سے بچنے کے لئے باریک لباس، گرما میں سرد غذائیں، سرما میں گرم غذائیں، زمین، ہوا، پانی پر سفر کرنے کے لئے مختلف سواریاں، ریگستان میں سفر کرنے کے لئے خاص جانور، پرورش کے ئے گرمی، سردی اور برسات کے موسم، حساب وکتاب کا دن، اچھے برے انجام کی جگہ (آخرت)، غرض پرورش ونگہداشت کی جو جو ضرورتیں اور سامان تھا وہ سب کچھ پیدا فرمادیا، اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہونے کے ناطے صرف مخلوقات کو بناتا اور پیدا ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی شان ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش ونگہداشت کے لئے جو جو چیزیں ضروری ہیں اس کا انتظام کرتا ہے، چنانچہ ہر مخلوق کے وجود اور باقی رہنے اور حفاظت کرنے کے لئے جو کچھ ضروری تھا وہ اس کی ہر عمر ہر گھڑی اور ہر حالت کی رعایت سے اس کو مل رہا ہے، کائنات کے ہر ذرہ کی ضرورت کا لحاظ ہے اور ہر تبدیلی کی نگرانی ہے، چنانچہ چیونٹی کو اپنے انڈے میں تخلیق مل رہی ہے، کیڑے اور مچھر کو اندھیرے کے باوجود غذا ملتی ہے، مچھلیاں دریاؤں میں تیرتے ہوئے، مکوڑے زمین پر رہتے ہوئے، پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے، باغوں میں پھول کھلتے ہوئے، جنگل میں جانور پھرتے ہوئے، ستارے سیارے فضاء میں اڑتے ہوئے اپنے خالق کی ربوبیت ہی کے تحت اپنی ہر ضرورت کو حاصل کررہے ہیں اور کائنات کا ذرہ جس جگہ جس حالت میں بھی ہو اس کی پرورش کا انتظام اس کے اطراف کردیا گیا ہے، جہاں وہ بڑے بڑے آسمانوں کی پرورش کررہا ہے اور سمندروں کی ضرورتوں کو پوری کررہا ہے، ہاتھی جیسی مخلوق کو اور انسانوں جیسی مخلوقات کی ضرورتوں کو پوری کررہا ہے وہیں پر مچھر، مکھی اور چیونٹی کی بھی ہر گھڑی ہر آن ضرورتیں پوری کی جارہی ہیں، گویا بڑی سے بڑی اور حقیر سے حقیر مکڑی جیسی مخلوق کے ساتھ بھی نظام ربوبیت برابر جاری ہے، یہ نظام پورے نظم وضبط کے ساتھ چل رہا ہے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو فیضان ربوبیت سے محروم ہو۔

اللہ تعالیٰ نے امتحان کی خاطر دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کا امتحان لینے کے لئے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے اور وہ کسی کو سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور اپنی مخلوقات کی بہت ساری ضرورتوں کو اسباب کے ذریعہ پورا کرتا ہے یعنی وہ اپنی بہت ساری قدرت کو اسباب کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے، اور اس

نے یہ شرط رکھی ہے کہ اس کو بغیر دیکھے پہچان کر صحیح مانا جائے، چنانچہ اس نے دنیا میں روشنی، گرمی کا انتظام، دن رات بننے کا انتظام اور کھیتوں اور درختوں پر غلہ اناج، پھل پھلاری تیار ہونے کا انتظام سورج چاند کے ذریعہ کیا ہے، پانی کے برسنے کا انتظام ابر کے ذریعہ کیا ہے، پانی کے بخارات بن کر اڑنے کا انتظام ہواؤں کے ذریعہ کیا ہے، غلہ، اناج، ترکاریوں، پھلوں کا انتظام درختوں اور پودوں کے ذریعہ کیا ہے اور جانداروں کو سانس لینے کا انتظام ہواؤں کے ذریعہ کیا ہے، درختوں اور پودوں کے اگنے کا انتظام زمین کے ذریعہ کیا ہے، بیماریوں کو دور کرنے کا انتظام دواؤں کے ذریعہ کیا ہے، گوشت، انڈے، دودھ کا انتظام جانوروں کے ذریعہ کیا ہے، جانداروں کو تروتازہ کرنے، تھکان کو دور کرنے کا انتظام نیندے ذریعہ کیا ہے، بھوک کو مٹانے کا انتظام غذاؤں کے ذریعہ کیا ہے، نسلوں کی افزائش کا انتظام ماں باپ کے ذریعہ کیا ہے، روٹی روزی کمانے کا انتظام نوکری، ہنر اور تجارت کے ذریعہ کیا ہے، دنیوی تعلیم حاصل کرنے کا انتظام اسکول، استاد اور کتابوں کے ذریعہ کیا ہے، دنوں، مہینوں اور سالوں کے گذرنے کا انتظام دن و رات کے ذریعہ کیا ہے، انسانوں کو ہدایت و رہبری کا انتظام وحی و رسالت کے ذریعہ کیا ہے، غرض یہ کہ وہ مخلوقات کی بہت ساری ضرورتوں کو اسباب کے ذریعہ پوری کرتا ہے اور اسباب ہی کے ذریعہ ان کی پرورش کا نظام بنایا ہے۔

اسباب ہی کو فائدہ اور نقصان کا ذریعہ بنایا ہے

انسانوں اور جنوں کو اسباب کے درمیان میں رکھ کر ان کو اسباب ہی کے ذریعہ نفع و نقصان دے کر، اسباب ہی کے ذریعہ کامیابی و ناکامی دے کر، اسباب ہی کے ذریعہ خوشی و غم دے کر، اسباب ہی کے ذریعہ موت و حیات دے کر، اسباب ہی کے ذریعہ بیماری و صحت دے کر، اسباب ہی کے ذریعہ پریشانی و راحت دے کر ان کا امتحان لے رہا ہے کہ آیا وہ اسباب کے درمیان رہتے ہوئے اسباب سے اپنی ضرورتوں کو پورا ہوتے ہوئے، اسباب سے نفع و نقصان دیکھتے ہوئے آیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ضرورتوں کا پورا کرنے والا مانتے ہیں یا مخلوقات سے پلنے کا تصور رکھتے ہیں، وہ اپنی ضرورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں یا مخلوقات کو پکارتے ہیں، وہ اپنی حاجتوں

کواللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں یا مخلوقات سے دعائیں مانگتے ہیں، وہ مخلوقات سے ڈرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، وہ مخلوقات سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے اور وہ مخلوقات سے اپنی ضرورتیں پوری ہوتا ہوا دیکھ کر کیا مخلوقات کو بھی اللہ جیسا یا اللہ کا شریک سمجھتے ہیں یا خالص اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب، پروردگار اور مالک سمجھتے ہیں۔

انسانوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دنیوی بادشاہوں پر قیاس کیا

انسانی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ ہر زمانہ میں انسانوں نے شہنشاہِ کائنات کو اپنے دنیوی بادشاہوں کی طرح سمجھا اور یہ عقیدہ پیدا کیا کہ جس طرح کسی ملک کا ایک بڑا بادشاہ ہوتا ہے وہ اپنے ملک کے مختلف انتظامات خود نہیں کرسکتا اس لئے وہ اپنے وزیروں کو مختلف انتظامات حوالے کردیتا ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کو وہ کسی نام God، رب، پربھو، پرماتما، ایشور کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کو سب سے بڑا خدا سمجھتے اور تصور رکھتے ہیں کہ اس نے یہ کائنات بنائی وہ اس کائنات کا حقیقی مالک ہے، سورج، چاند، زمین، آسمان، ہوا، پانی سب اسی نے بنائے مگر وہ کائنات کے مختلف کاموں کو مختلف چھوٹے چھوٹے خداؤں کے تحت دیدیا ہے، اس لئے موت کا دینے والا خدا الگ ہے، پیدائش کا دینے والا خدا الگ ہے، رزق کا دینے والا خدا الگ ہے، اولاد کا دینے والا خدا الگ ہے، بیماریوں کا دینے والا خدا الگ ہے، شفاء کا دینے والا خدا الگ ہے، علم کا خدا الگ ہے، درختوں کا خدا الگ ہے، ہواؤں کا خدا الگ ہے، پانی برسانے والا خدا الگ ہے، غذاؤں کا دینے والا خدا الگ ہے، انسانوں کا خدا الگ ہے، زمین کا خدا الگ، پہاڑوں کا خدا الگ، لہٰذا انہوں نے دنیوی حکومتوں کی طرح کائنات کی لمبائی چوڑائی کے حساب سے مختلف ڈپارٹمنٹ بنا ڈالے اور اس کے علٰحدہ علٰحدہ خدا کردئے اور جس طرح دنیوی حکومتوں میں تمام منسٹر چیف منسٹر کے تابع اور فرمانبردار ہوتے ہیں اسی طرح یہ سب چھوٹے چھوٹے خدا بڑے خدا کے تابع اور فرمانبردار ہیں، اور اپنے اپنے اختیارات رکھتے ہیں، اب ہمیں اولاد لینے، رزق مانگنے، علم حاصل کرنے، حیات مانگنے، صحت مانگنے، پانی مانگنے، غلہ اور اناج اگانے، مصیبتوں سے چھٹکارا پانے، کامیابی پانے، نقصان سے بچنے کے لئے بڑے خدا کے پاس جانے کے

بجائے ان چھوٹے چھوٹے خداؤں سے اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو مانگنا اور انہیں خوش رکھ کر بڑے خدا تک جانا چاہئے، جس طرح دنیوی حکومتوں میں سب کچھ اختیارات وزیر کو ہوتے ہیں، وزیر اعلیٰ کے پاس وزیر کی سفارش کے بغیر کچھ نہیں ہوتا بالکل اسی طرح کائنات کے تمام کاروبار چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حکومت بھی اسی طرح کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف اور پہچان کروانے کیلئے صفات کو بار بار سمجھایا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنا صحیح تعارف اور پہچان کروانے اور اپنے بندوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے اپنی صفات کو سمجھایا اور کائنات کی چیزوں میں اس کی صفات کو غور وفکر کر کے اس کو صحیح پہچاننے اور ماننے کی تعلیم دی تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کو ماننے میں غلطی نہ کرے، چنانچہ اس نے انسانوں کو یہ تعلیم اور احساس دلایا کہ ان کا پروردگار انسانی بادشاہوں کی طرح مجبور محتاج، عیب ونقص والا نہیں اور نہ اس کی بادشاہت انسانی بادشاہت کی طرح ہے، وہ اکیلا کائنات کا خالق (بنانے اور پیدا کرنے والا) ہے، اس کی خدائی وکارسازی میں کوئی دوسرا شریک نہیں، وہ رحمٰن ورحیم اور کریم ہے، اپنی مخلوقات پر بے انتہا مہربان اور نہایت رحم وکرم کرنے والا ہے، وہ سمیع وبصیر ہے یعنی ہر آن اپنی مخلوقات کو دیکھنے اور ان کی فریادیں سننے والا ہے اور وہ علیم وخبیر بھی ہے یعنی وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم رکھتا ہے اور اس کو ماضی، حال ومستقبل ہر چیز کی خبر ہے، کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں، وہ توّاب ہے یعنی اپنے بندوں کی غلطیوں کو بار بار معاف کرنے والا ہے، وہ ودود ہے اپنی مخلوقات سے بے انتہا محبت کرتا ہے، وہ سلام اور مومن بھی ہے یعنی سلامتی اور امن دینے والا ہے، وہ الحفیظ بھی ہے یعنی اپنی مخلوقات کی حفاظت کرنے والا ہے، وہ الھادی بھی ہے یعنی ہر مخلوق کو ان کی زندگی کی راہ بتلانے والا ہے اور وہ ان اللہ علی کل شیء قدیر بھی ہے یعنی ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے، اور وہ الحسیب ہے یعنی ایک دن اپنے بندوں کا حساب لینے والا ہے، اور وہ الرزاق ہے یعنی ہر مخلوق کو روزی دینے والا ہے، وہی رب العالمین بھی ہے یعنی ہر مخلوق کی ہر طرح کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے، اس نے بار بار یہ تعلیم دی کہ اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور نہ اس جیسی قدرت کسی میں ہے، اس نے انسانوں اور جنوں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ جس طرح اس کو ہی خالق کائنات مانتے ہیں اسی

طرح وہ اسی کو رب العالمین مانیں، اور اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کریں، وہی ان کا حقیق مالک ہے، جو مالک ہوتا ہے وہی خالق، رب، حاکم وقادر اور معبود سب کچھ ہوتا ہے۔

صفت ربوبیت کو نہ سمجھنے سے انسانوں نے شرک کا راستہ اختیار کیا

جب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان اور تعارف نہیں ملتا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ویسا نہیں مانتے جیسے ماننا ہے بلکہ شرک کے ساتھ مانتے ہیں، چنانچہ ہر زمانہ میں غیر مسلم اللہ کا انکار تو نہیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو بحیثیت بڑے خدا کے مانتے ہوئے مخلوقات میں خدائی قدرت سمجھتے اور چاند، سورج، زمین، ہوا، درخت، پانی، جانور، آگ، روپئے پیسے، دوکان اور مشینی اوزار سے پلنے کا تصور پہلے بھی کیا اور آج بھی کرتے ہیں، اور ان کی پوجا وپرستش کرتے ہیں۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا کر سارے انسانوں کے گناہ معاف کرانے کے لئے سولی پر چڑھا ڈالے اور خدا کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور اب اپنے پادری کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور پادری کے ذریعہ گناہ معاف کرانے اور ضرورتوں کے پورا ہونے اور اس کی سفارشوں سے مسائل کے حل ہونے کا تصور رکھتے ہیں، وہ بغیر پادری کے خدا کے پاس نہیں جاتے۔

اکثر مسلمان کلمہ پڑھ کر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کو نہیں سمجھا اور انہوں نے بھی اللہ کی صحیح پہچان نہ ہونے کی وجہ سے شرک کا راستہ اختیار کیا، اور وہ سورج، چاند، ہوا، پانی، زمین، دولت، درخت، پہاڑ کی پوجا تو نہیں کرتے مگر انہوں نے خدا کے بجائے علموں، جھنڈوں، قبروں اور ولیوں، تعزیوں اور بزرگوں سے اپنی ضرورتیں پوری ہونے کا عقیدہ پیدا کر کے ان سے دعائیں، منتیں، مرادیں، سجدے، طواف سب کچھ شروع کر دیا ہے اور شرک میں گرفتار ہو گئے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ایمان پر ہیں حالانکہ ایمان تو صحابہ کرامؓ جیسا ایمان ہونا چاہئے۔

ربوبیت کی تکرار بار بار کیوں کروائی جارہی ہے؟

تمام انسانوں کے دنیا میں آنے سے قبل ہی عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے سارے انسانوں سے سب سے پہلا سوال یہ کیا تھا: الستُ بربّکم ۔ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں؟ تو تمام انسانوں نے یک زبان ہو کر کہا تھا: بلیٰ۔ یعنی کیوں نہیں! آپ ہی

ہمارے رب ہیں۔

غور کیجئے کہ یہاں جو سوال کیا گیا وہ دوسری تمام صفات سے ہٹ کر صرف ''ربکم ''یعنی شان ربوبیت پوچھی گئی، اسی طرح پھر دنیا میں آنے کے بعد ہر روز پانچ مرتبہ نماز کی ہر رکعت میں ''اَلْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ '' پڑھایا اور یاد دلایا جارہا ہے، رکوع اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ کی تسبیح کو بار بار پڑھا کر ربوبیت ہی کو یاد دلایا جارہا ہے، رکوع سے کھڑے ہونے پر رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کی تسبیح پڑھائی جارہی ہے، نماز کے بعد بہت ساری دعائیں بھی اسی ''ربنا'' سے شروع ہوتی ہیں، مثلاً ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا ''پڑھا کر دعاء کرائی جارہی ہے، قرآن کریم کی بہت ساری سورتیں بھی لفظ رب کے ذریعہ انسانوں کو ربوبیت ہی ربوبیت یاد دلا رہی ہیں، قرآن پاک کی شروعات بھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' سے ہورہی ہے اور اختتام پر ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس'' کے ذریعہ ربوبیت ہی کا اعلان کیا جارہا ہے، مرنے کے بعد قبر میں بھی سب سے پہلا سوال ''مَنْ رَبُّکَ'' یعنی تیرا رب کون ہے؟ ہی کا ہوگا۔

ذرا سوچئے کہ آخر اتنا زیادہ رب اور ربوبیت ہی کو کیوں یاد دلا جارہا ہے؟ بار بار دوسری صفات کو چھوڑ کر خاص طور پر ربوبیت ہی کی تسبیح کیوں پڑھائی جارہی ہے؟

دنیا دارالاسباب ہے

دنیا کے اکثر انسانوں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی کو سمجھنے میں لگتی ہے، مشرک انسان نے اسی صفت کے سمجھنے میں سب سے زیادہ ٹھوکر کھا کر شرک کو اختیار کیا ہے اور اللہ کے علاوہ درمیانی اسباب پر ہی اپنی نگاہ جمالی ہے، دنیا چونکہ دارالاسباب ہے اور انسان اپنی ساری ضرورتیں اسباب ہی سے پورا ہوتا دیکھتا ہے اس لئے اسباب ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے کیونکہ انسانوں کی یہ سب سے بڑی کمزوری ہے کہ اگر ان کو صحیح علم نہ ملے تو ان کو ظاہری طور پر جس چیز سے ہر روز واسطہ اور سابقہ پڑتا رہتا ہے اور جس چیز سے نفع ونقصان نظر آتا ہے اسی سے محبت کرتے اور اسی سے ڈرتے اور اسی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں، چنانچہ مشرک انسانوں نے سورج کا ظاہری فائدہ دیکھا اور اس کی روشنی کی تیزی کو دیکھ کر اس کو خدا مانتے ہوئے اس کی پرستش کرنے

لگے، روپے پیسے سے ضروریات پوری ہوتے ہوئے دیکھ کر اسی سے پلنے کا تصور قائم کرلیا، اس کو لکشمی کہتے ہوئے اس کی پوجا کرنے لگے، دریاؤں، سمندروں میں سے آندھی طوفان اور طغیانیاں نکلتی ہوئی دیکھ کر دریاؤں اور سمندروں سے تباہی و بربادی اور موت کے ڈر خوف کی وجہ سے ان کی پوجا کرنے لگے اور روپے پیسے، سونے چاندی کے علاوہ اپنی اولاد کو بھی بھینٹ چڑھانے لگے، زمین سے زلزلے، کوہِ آتش فشاں کے پھٹنے اور غلہ اناج کے بار بار نکلنے پر دھرتی ماتا کہہ کر اس کی پوجا شروع کردی، اسی طرح آگ، پانی، درختوں اور جانوروں سے مختلف حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا ہوتا ہوا دیکھ کر نفع وضرر کا تصور لیکر ان کی باقاعدہ پوجا کرتے رہتے ہیں، ان کے سامنے قربانیاں کرتے، اور انہیں کے نام کی جئے جئے پکارتے ہیں اور بعض کو مختلف قسم کی بیماریوں کے نقصان کے ڈر اور خوف سے بیماریوں کی بھی پوجا کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض تو انسانی جسم کے ناقابل ذکر اعضاء تک کی پرستش کرتے ہیں، غرض یہ کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں انسان ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو تو خالق کائنات مانتے ہیں اور مختلف ناموں سے اسے پکارتے ہیں مگر خدا کو رب نہیں مانتے اور مختلف اسباب سے بننے اور بگڑنے کا تصور رکھتے ہیں۔

اسی طرح جب انسان دنیا میں زندگی گذارتا ہے تو زندگی گذارنے کے لئے اس کو نوکری، تجارت وغیرہ اسباب وذرائع کو اختیار کرنا پڑتا ہے یا پھر کوئی ہنر اختیار کرنا پڑتا ہے یا پھر کسی کے سہارے یعنی باپ، بیٹا، بھائی، شوہر وغیرہ کے ذریعہ زندگی گذارنا پڑتا ہے، اب اگر انسان کے پاس صحیح علم نہ ہوگا تو وہ ان تمام درمیانی واسطوں اور ذریعوں ہی کو اصل سمجھ کر ان پر نگاہ جمالے گا، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفت ربوبیت کو پہلے اور مقدم رکھا تاکہ انسان کی نگاہ درمیان کے واسطوں پر اٹک نہ جائے بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہی نگاہ رہے۔

اکثر انسانوں میں ربوبیت الٰہی کا یقین کمزور کیوں ہوجاتا ہے؟

عام طور پر یہ دیکھا گیا کہ جن انسانوں کو الحمد لله رب العالمين کا صحیح شعور نہیں ہوتا ان کا یقین ربوبیت الٰہی پر انتہائی کمزور ہوتا ہے، اسی لئے زندگی کے مختلف شعبوں میں ضروریات کے پورا نہ ہونے پر بس پریشان ہی پریشان رہتے ہیں اور غیروں کے آگے

سر جھکا دیتے ہیں، مثلاً اکثر مسلمان ہر روز نماز میں الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر زبان سے تو اللہ ہی سے پلنے کا اقرار کرتے ہیں مگر عملی زندگی میں اس کے خلاف روش رکھتے ہیں، مثلاً بیٹا، بیٹی کو جب بیماری ہوتی ہے اور شفاء میں تاخیر ہونے لگتی ہے تو بزرگوں کے مزاروں پر یا پھر چلوں، علموں اور جھنڈوں سے منتیں مانگتے ہیں، کسی کو اولاد نہیں ہو رہی ہے تو قبروں پر جا جا کر مرادیں مانتے اور کسی کی لڑکی کا رشتہ طے نہیں ہو رہا ہے تو مختلف مزاروں پر تاگے باندھتے اور وہاں کے پانی سے نہلاتے ہیں یا کسی کو نوکری نہ مل رہی ہو تو درگاہوں پر درخواستیں لٹکاتے اور بزرگوں سے فریادیں کرتے ہیں، کاروبار میں نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لئے ان کی نیاز کرتے ہیں، غرض اللہ تعالیٰ کو تو بڑا مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہر ضرورت کو پورا کرنے والا ہے کہہ کر قول سے اقرار بھی کرتے ہیں مگر عمل سے جھنڈوں، چلوں اور مزاروں سے اپنی ضروریات پورا ہونے کا احساس دلاتے ہیں، اسی طرح بہت سارے مسلمان غیر مسلموں کی طرح درختوں، پہاڑوں، بادلوں، تالابوں، غیر مسلموں کے تہواروں میں نفع ونقصان کا تصور رکھتے ہیں، یہ ساری خرابیاں صفت ربوبیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، ایسے لوگ بس قول سے تو اللہ تعالیٰ ہی سے پلنے کا اقرار کرتے ہیں مگر عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ان کی پرورش میں مختار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کو بار بار پڑھا کر انسانوں میں یہ عقیدہ مضبوطی سے پیدا کرنا چاہتا ہے کہ انسان اپنی ہر ضرورت کو پورا کرنے والا اللہ ہی کو سمجھے، لیکن انسان اگر اس آیت کو بے شعوری کے ساتھ پڑھتا رہے گا تو شیطان بار بار انسان پر حملہ کر کے اس کے اندر اللہ تعالیٰ ہی سے پلنے کے یقین کو کمزور کرتا رہے گا، جب انسان کا یہ عقیدہ کمزور پڑ جاتا ہے تو وہ ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے پلنے کا یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے انسان اتنے ہی بڑے سے بڑے مسائل کو سکون کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ جن انسانوں کے عقیدۂ ربوبیت میں کمزوری ہو انہیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی کی نہیں چرندوں، پرندوں، درختوں، پہاڑوں، زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، ہوا، پانی، جنات وفرشتے وغیرہ وغیرہ ہر ایک کی ضرورت کو ہر لمحہ پورا کر

رہا، انسان، جانور اور نباتات کے علاوہ دوسری بہت ساری مخلوقات تو لاکھوں برسوں سے کائنات میں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ لاکھوں برسوں سے ان کی پرورش برابر کر رہا ہے، سورج کی پرورش ہزاروں سال سے برابر فرما رہا ہے، زمین کی ہر ضرورت کو اللہ تعالیٰ ہزاروں سال سے پورا فرما رہا ہے، پانی کی نگہداشت اللہ تعالیٰ ہزاروں سال سے کر رہا ہے، ہواؤں کی پرورش ہزاروں سال سے کر رہا ہے، انسان عالم ارواح سے کئی مراحل سے گذر کر دنیا میں آتا ہے اور بچپن سے لیکر جوان ہونے تک نہ کوئی نوکری کرتا ہے نہ تجارت کرتا ہے صرف کھیلتا رہتا ہے مگر جب جوان ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت پر صحیح نگاہ نہ ہونے کی وجہ سے بس پریشان ہی پریشان ہو جاتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ میں اور میرے بیوی بچوں کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟ بس اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اسباب پر نگاہ جما لیتا ہے اور حرام کی کمائی میں منہ مارنے لگتا ہے، کہیں لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، کہیں بے ایمانی اور چوری کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جوان ہونے کے بعد بھی اس کو روشنی، ہوا، پانی، گرمی، سردی وغیرہ بغیر کسی رکاوٹ کے دیتا رہتا ہے۔

اگر اسی انسان کو اس کا کوئی دوست کسی دن شام کے کھانے کی دعوت دیدے تو آپ اندازہ لگائیے کہ دو روز پہلے ہی سے وہ اس دن کے کھانے کی فکر سے بے فکر رہتا ہے اور اس کو ذرا سا بھی شک نہیں آتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے پالنے کا اس کو یقین دلا رہا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ پر یقین کم کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ اعلان فرمادیا کہ یہ عرب کے لوگ اپنے بچوں کو دفن کر رہے ہیں، آپ ان سے فرمادیجئے کہ کھانے کی تنگی سے ڈر کر اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ روزی دینے کے مقام پر سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے بچوں کا ذکر پہلے کیا اور بڑوں کا ذکر بعد میں کیا کہ ہم ہی روزی دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۔ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ۔ (بنی اسرائیل:۳۱)

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو (کیونکہ) ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کی پالنے والی صفت ایسی ہے کہ دنیا میں اگر مخلوقات کی آبادی چاہے کتنی ہی ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور نظام ربوبیت میں کسی لمحہ کسی

طرح کی کوئی کمی نہ ہوئی ہے اور نہ کبھی ہوگی۔

غرض دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جو فیضان ربوبیت سے محروم ہے اور ہر مخلوق کو اس کی بقاء کے لئے جس جس چیز کی ضرورت تھی اور جس جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح انہیں وقتوں میں اور اسی مقدار میں اسے اللہ تعالیٰ مہیا فرما رہا ہے۔

ربوبیت کو سمجھانے کے لئے ریل گاڑی کی مثال

ربوبیت کو سمجھانے کیلئے ہم آپ کو سب سے پہلے ایک مثال رہبری کے لئے دیتے ہیں، اس مثال کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے انشاءاللہ تعالیٰ ربوبیت بھی بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

جب ایک ریل گاڑی چلتی ہے تو مختلف انسانوں کی نگاہ مختلف جگہوں پر رک جاتی ہیں، فرض کر لیجئے کہ اگر کسی انسان سے پوچھا جائے کہ ریل کیسے چل رہی ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ لوہے کی پٹریوں کی وجہ سے چل رہی ہے، اس کی نگاہ صرف پٹریوں پر ہی رک جاتی ہے، اسی طرح کسی انسان کی نگاہ صرف ڈرائیور پر ہی رک جاتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ ریل ڈرائیور کی وجہ سے چل رہی ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہری جھنڈی بتانے والے گارڈ کی وجہ سے چل رہی ہے، کسی کی نگاہ پانی، کوئلہ، یا ڈیزل پٹرول اور بجلی پر ہی رک جاتی ہے، وہ کہتا ہے کہ پانی اور کوئلہ یا ڈیزل پٹرول یا بجلی سے چل رہی ہے، کوئی کہتا ہے کہ آگ کی وجہ سے چل رہی ہے، اس کی نگاہ آگ پر رک جاتی ہے، مگر ایماندار انسان کی نگاہ نہ آگ پر رکتی ہے نہ پانی، کوئلہ اور ڈیزل، بجلی پر رکتی ہے اور نہ پٹریوں پر رکتی ہے اور نہ گارڈ پر رکتی ہے بلکہ اس کی نگاہ اللہ پر ہوتی ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ ریل کو اللہ چلا رہا ہے اس لئے وہ چل رہی ہے، ریل لوہے کی ہوتی ہے، لوہے کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اسی طرح کوئلہ، ڈیزل پٹرول اور بجلی اللہ نے پیدا کیا اور اس میں چلانے کی صلاحیت اللہ نے رکھی ہے، پانی کو اللہ نے بنایا اور اس کو بھاپ بنا کر اس میں ریل کو چلانے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بنایا اور اس میں عقل کی صلاحیت دے کر ان تمام چیزوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا اللہ نے سکھایا، اگر پانی جو بھاپ بنتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ چلانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اور لوہے کو گرم کر کے جیسا چاہے موڑ کر پٹریاں بنانے کی صلاحیت نہ دیتے تو کیا ریل

چل سکتی تھی؟ آگ، کوئلہ، ڈیزل، پٹرول اور بجلی پیدا ہی نہ کرتے، انسان کو چلانے کی صلاحیت ہی نہ دیتے تو کیا ریل گاڑی بنائی اور چلائی جاسکتی تھی؟ اس لئے ایمان والے انسان کی نگاہ اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

تو بس اس مثال سے اچھی طرح سمجھ جایئے کہ دنیا میں بھی بہت سے انسانوں کا یہی حال ہوگیا ہے کہ کسی انسان کی نگاہ صرف سورج پر رک گئی ہے، کسی انسان کی نگاہ زمین پر ہی رک گئی ہے، کسی کی نگاہ روپے پیسے پر ہی رک گئی ہے تو کسی کی آگ اور پانی پر ہی جم گئی ہے، اسی طرح کسی کی نگاہ دوکان، کھیت اور ملازمت پر ہی رک گئی ہے اور کسی کی نگاہ جائیداد اور اقتدار پر ہی رک گئی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں خدا سے نہیں بلکہ ان چیزوں سے پل رہا ہوں، یہ چیزیں مجھے پال رہی ہیں۔

اسباب نہیں پال رہے ہیں اللہ پال رہا ہے

سورج سے پلنے کا غلط تصور: چنانچہ بہت سارے لوگ اللہ کو تو بڑا مانتے ہیں لیکن سورج سے پلنے کا تصور رکھتے ہیں، سورج کو رب مانتے ہیں، اس کی پرستش کرتے ہیں، اس کو سجدہ بھی کرتے ہیں، چنانچہ ہر زمانہ میں تقریباً سورج کی پرستش کی گئی، ان کا خیال ہوتا ہے کہ سورج کی وجہ سے ان کی زندگی چل رہی ہے، سورج ہی کی وجہ سے ان کی آنکھوں کو روشنی مل رہی ہے، سورج کی کرنیں سمندر کا پانی بھاپ بنا کر اڑاتی اور ابر بناتی ہیں تب ہی بارش ہوتی ہے، سورج کی وجہ سے کھیت تیار ہوتے ہیں اور اناج پیدا ہوتا ہے، سورج کی وجہ سے زمین میں تڑخ پیدا ہوتی ہے تو بارش کا پانی اس میں جذب ہوتا ہے اس لئے وہ سورج سے پلنے کا تصور رکھتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے کہ ان انسانوں کی سوچ اور فکر کتنی کمزور اور بودی ہے، غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ سمندر کی تہہ میں رہنے والے جانوروں اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں کو اللہ بغیر سورج کی روشنی کے روشنی دکھا رہا ہے، ہمارے گھروں میں ہم خود دیکھتے ہیں کہ بلی اور چوہے کو اندھیرے میں کیسے نظر آتا ہے؟ جنگلوں میں سانپ، خرگوش وغیرہ رات میں باہر نکل کر پھرتے ہیں۔

اسی طرح غور کیجئے کہ کیا اکیلا سورج اناج تیار کر رہا ہے یا دوسری چیزوں کی بھی ضرورت ہے، اگر سورج ہوتا لیکن زمین نہ ہوتی تو بیج کہاں بوئے جاتے؟ یا پھر سورج ہوتا زمین بھی ہوتی

اور بیج بھی ہوتے مگر پانی نہ ہوتا تو کیا سورج زمین اور بیج تینوں مل کر غلہ پیدا کرتے؟ یا پھر زمین بھی ہے سورج بھی ہے پانی بھی ہے مگر بیج نہیں ہیں تو کیا کھیت تیار ہوتے؟ یا پھر سورج زمین ہوا پانی بیج سب کچھ ہوتے مگر اللہ تعالیٰ بیج کو سڑا دیتے یا پھر اناج پورا تیار ہونے کے بعد کیڑوں کو کھلا دیتے تو کیا اناج انسان کے ہاتھ آ سکتا تھا؟ پودے، زمین، سورج، پانی، ہوا، بیج سب کے سب اللہ کے محتاج ہیں مگر اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔

اسی طرح غور کیجئے کہ سورج کا ہر دن غروب ہونا خود اسکی موت وزوال کو ظاہر کرتا ہے، اگر یہ رب ہوتا تو ہر دن ڈوب کیوں جاتا؟ ہر دن پیدا کیوں ہوتا؟ اس کا بے نور ہونا خود اس کے عیب کی دلیل ہے، برسات کے زمانہ میں بادل اس کی روشنی کو ختم کیوں کر دیتے ہیں؟ اس کی کرنوں میں گرمی کی طاقت کیوں ختم ہو جاتی ہے؟ سورج پر گہن کا آنا بھی اس بات کی علامت ہے کہ اے سورج کی عبادت کرنے والو! ذرا غور وفکر سے کام لو اور دیکھو کہ آخر سورج رب ہے تو پھر اس کے عین چمکنے اور تیزی دکھانے کے وقت کون اس کو گہن لگا کر بے نور کر رہا ہے۔

اگر عقل وفہم سے کام لوگے تو معلوم ہوگا کہ سورج کا اپنا ذاتی کوئی کمال نہیں یہ اللہ ہی کے حکم سے روشنی دیتا ہے اور اللہ ہی کے حکم سے بے نور ہو جاتا ہے، سورج انسان کا خدمت گذار ہے یعنی اللہ نے سورج کو انسان کا نوکر بنایا ہے مگر عجیب بات ہے کہ انسان خود اپنے نوکر کے آگے جھک رہا ہے۔

خوب یاد رکھئے کہ ساری مخلوقات کو سورج نہیں پال رہا بلکہ اللہ تعالیٰ پال رہا ہے اس لئے سورج عبادت کے لائق نہیں بلکہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔

زمین سے پلنے کا غلط تصور: اسی طرح بہت سارے لوگ زمین سے پلنے کا تصور رکھ کر زمین کی بھی پوجا کرتے ہیں حالانکہ زمین بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی، گرما کے موسم میں مردہ اور بے جان ہو جاتی ہے، جگہ جگہ سے تڑخ کر خشک ہو جاتی ہے، اگر زمین کو پانی نہ ملے تو وہ کسی بھی موسم میں پودا نہیں اگا سکتی۔ ایک کسان کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کھیت کے ذریعہ غلہ اور ترکاریاں وغیرہ دیتا ہے مگر پھر بھی وہ کسان زمین پر ہی نگاہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر نگاہ نہیں رکھتا، اگر بارش نہ ہو تو کسان بار بار آسمان کی طرف سر اٹھا اٹھا کر دیکھتا ہے مگر جب بارش ہو جاتی ہے اور کھیت تیار ہو جاتا ہے تو وہی کسان اللہ کے سامنے سر جھکانے کے بجائے زمین کی پوجا کرتا ہے

اور اللہ تعالیٰ سے پلنے کا احساس رکھنے کے بجائے زمین سے پلنے کا تصور رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی کھیت کی وجہ سے زندگی چل رہی ہے ورنہ دو وقت کا کھانا بھی نہ ملتا، زمین انسان کی خدمت گذار ہے یعنی اللہ نے زمین کو انسان کا نوکر بنایا مگر عجیب بات ہے کہ انسان خود اپنے نوکر کا شکریہ ادا کر رہا ہے، خوب یاد رکھئے کہ ساری مخلوقات کو زمین نہیں پال رہی ہے بلکہ اللہ پال رہا ہے اس لئے زمین عبادت کے لائق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ عبادت کے لائق ہے۔

آگ سے پلنے کا غلط تصور: اسی طرح ہزاروں ایسے انسان ہیں جو آگ کو رب مانتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اسی آگ کی وجہ سے ان کی زندگی باقی ہے، انسان کے جسم میں بھی آگ یعنی گرمی ہے، اگر انسان کے جسم سے گرمی ختم ہو جائے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے۔

انسان کی غذائیں بھی اسی آگ سے تیار ہوتی ہیں، کسی انسان کو آگ لگ جائے تو وہ ختم ہو جاتا ہے، اگر مکان و دوکان کو آگ لگ جائے تو وہ تباہ و تاراج ہو جاتے ہیں اور زندگی برباد ہو جاتی ہے، کھیتوں میں غلہ اور پھل اسی گرمی سے پکتے ہیں، سورج کی گرمی میں بھی آگ ہی ہے، روشنی میں بھی آگ ہے۔

غور کیجئے کہ اگر ایسے انسانوں سے پوچھا جائے کہ کیا آگ بڑی یا پانی؟ تو کوئی کہے گا کہ آگ بڑی ہے اور کوئی کہے گا کہ پانی بڑا ہے، مگر نہ آگ بڑی ہے نہ پانی بڑا ہے بلکہ ان دونوں کا پیدا کرنے والا یعنی اللہ تعالیٰ ہی بڑا ہے۔ اگر پانی کے چند قطروں کو آگ پر مارا جائے تو آگ بجھ کر راکھ بن جاتی ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ پانی بڑا ہے اور اسی طرح پانی کو آگ پر رکھا جائے اور گرم کیا جائے تو پانی جل کر غائب ہو جاتا ہے، یہاں انسان یہ سمجھتا ہے کہ آگ بڑی ہے، حالانکہ نہ پانی بڑا ہے اور نہ آگ بڑی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہے۔

ایک خاص نکتہ بھی یاد رکھئے کہ خود وہ لوگ جو آگ کی پوجا کرتے ہیں ہر دن اپنا کھانا سالن پکا لینے کے بعد اپنے خیالی خدا کو اپنے ہی ہاتھوں سے بجھا بھی دیتے ہیں، آتش کدے میں تو آگ ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہے مگر ان کے گھروں میں ان کا خیالی خدا ہر روز پیدا ہوتا ہے اور ہر روز مرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی اور نہ مار سکی، آگ دراصل دوزخ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جسے دنیا میں انسانوں کی خدمت کرنے کے لئے رکھا گیا ہے اور اس آگ کے

ذریعہ یہ بھی سبق دیا جارہا ہے کہ جولوگ اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو خدا مانیں گے وہ اسی آگ میں جلائے جائیں گے، آگ کو اللہ نے انسانوں کا خادم بنایا مگر یہ انسان آگ سے افضل ہونے کے باوجود اسی نوکر کی پوجا کرتے ہیں، آگ عبادت کے لائق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے، انسان کو آگ نہیں پال رہی ہے بلکہ اللہ پال رہا ہے ساری مخلوقات کا پالنے والا اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

روپئے پیسے سے پلنے کا غلط تصور: دنیا میں بہت سارے ایسے انسان بھی ہیں جو اللہ کو تو بڑا مانتے ہیں مگر روپے پیسے کی بھی پوجا کرتے ہیں، وہ روپے پیسے کو لکشمی کہتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اسی سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اسی سے ان کو عزت ملتی ہے، یہ نہ ہو تو وہ انسانوں میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاسکتے، ان کا یہ بھی تصور رہتا ہے کہ یہ لکشمی ہے، لکشمی اگر ناراض ہوجائے تو دوسروں کے پاس چلی جاتی ہے اس لئے اس کی پوجا کرتے ہیں۔

غور کیجئے کہ اگر پانی یا غلے وغیرہ کا قحط پڑجائے تو کیا ایک امیر پیسہ خرچ کرکے ایک دانہ چاول کا اپنے لئے زمین سے نکال سکتا ہے؟ ایک امیر آدمی بیمار ہوجائے اور عام طور پر امیروں کو بڑی بڑی بیماریاں ہوتی ہے تو کیا ان کا پیسہ اور دولت ان کو صحت وتندرستی دلا سکتے ہیں؟ بعض اوقات تو پیسے والے کا ایک نوالا کھانا بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا، صرف دواؤں پر زندگی گذرتی ہے، اگر پیسے سے انسان کی ہر ضرورت پوری ہوتی تو شاید دنیا میں جتنے انسان پیسے والے ہیں سب کے سب بے فکر نظر آتے مگر ایسا نہیں ہے، کسی پیسے والے کو انکم ٹیکس کی پریشانی رہتی ہے، کسی کو چور اور ڈاکوؤں کا ڈر ہوتا ہے، کسی کو اپنی جان کی حفاظت کی پریشانی رہتی ہے، کسی پیسے والے کو ڈاکٹروں کی پریشانی رہتی ہے، کسی پیسے والے کو اپنی اولاد کے اخلاق بگڑنے اور تعلیم نہ حاصل کرنے کی پریشانی رہتی ہے، جس طرح ایک غریب آدمی سکون کی نیند سوسکتا ہے ویسے ایک امیر آدمی نہیں سوسکتا۔

دنیا میں زیادہ تر انہی لوگوں کے اخلاق بہت زیادہ خراب ہوتے ہیں جن کے پاس روپیہ پیسہ آجاتا ہے، پیسہ آجانے کے بعد انسان اس پیسے سے عیاشی شروع کردیتا ہے، شراب، زنا، ریس اور جوا، فضول خرچی، غرض ہر قسم کی برائی اس پیسے کی وجہ سے کرتا رہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پیسہ آجانے کے بعد امیر آدمی میں غرور اور تکبر آجاتا ہے، دنیا میں زیادہ تر جھگڑے اور خون خرابے اسی پیسے کی وجہ سے ہوتے ہیں اور تعجب ہے کہ انسان اللہ کو چھوڑ کر

اس کی پوجا کرتا ہے جس سے یہ تمام فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

ایک خاص بات یاد رکھئے کہ وہ لوگ جو روپے پیسے کو لکشمی سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں ان کو یہ غور کرنا چاہئے کہ روپے پیسے کا یہ جو رواج ہے یہ موجودہ زمانہ کا طریقہ ہے ورنہ پہلے زمانہ میں روپے پیسے کا چلن نہیں تھا، لوگ اشیاء دے کر اشیاء لیتے تھے، مثلاً گھی دے کر کپڑا لیا جاتا تھا، چاول دے کر تیل، لکڑی وغیرہ لی جاتی تھی، غرض ایک چیز دے کر دوسری چیز لی جاتی تھی، پہلے زمانہ میں تو روپے پیسے کا چلن ہی نہیں تھا تو کیا اس زمانہ کے لوگ چاول، شکر، گھی، لکڑی وغیرہ کی پوجا کرتے تھے؟ انسان آخر کس کس کی پوجا کرے گا؟ آخر کس کس کے سامنے جھکے گا؟ قارون کو اس کی دولت نہ بچا سکی، دولت اللہ کی مرضی سے کسی کے پاس آتی ہے اور اللہ کی مرضی سے کسی کے پاس چلی جاتی ہے، خوب یاد رکھئے انسان کو پالنے والا روپیہ پیسہ نہیں بلکہ اللہ پالنے والا ہے اور روپیہ پیسہ عبادت کے لائق نہیں اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔

سڑک کی مثال: جب ایک سڑک تعمیر ہوتی ہے تو اس کو بنانے کے لئے کئی مزدور، گتہ دار، بلدیہ کا عملہ اور انجینئر کام کرتے ہیں اور سڑک کو تعمیر کرنے کے لئے مختلف مشینیں، روڈ رولر، کنکر، سمنٹ وغیرہ استعمال ہوتا ہے مگر جب لوگوں سے پوچھا جائے کہ یہ سڑک کس نے تعمیر کی ہے؟ تو لوگ فوراً کہتے ہیں کہ فلاں منسٹر نے روڈ بنائی ہے یا فلاں حکومت نے بنائی ہے، کوئی یہ نہیں کہتا کہ فلاں انجینئر، فلاں آفیسر یا فلاں مزدور نے بنائی ہے بلکہ ہر ایک کی نگاہ منسٹر یا حکومت پر ہوتی ہے اور ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ سارے لوگ اور ساری مشنری حکومت کے حکم سے کام کرتی ہے اور یہ حکومت کی مرضی تھی کہ یہاں سڑک تعمیر ہو اس لئے سڑک تیار کی گئی۔

تاج محل کی مثال: ہمارے ملک میں تاج محل ہے، جب لوگوں سے پوچھا جائے کہ تاج محل کو کس نے بنایا؟ تو ہر شخص یہ کہے گا کہ شاہ جہاں نے بنایا، کسی کی بھی نگاہ نہ مزدوروں پر ہے نہ انجینئروں پر اور نہ گتہ داروں پر، ہر آدمی بس یہی کہتا ہے کہ تاج محل شاہجہاں نے بنوایا ہے حالانکہ اس کی تعمیر میں کئی فنکاروں کا دماغ، اس کی نقش ونگاری میں کئی مصوروں کی کاوش اور اس کی تعمیر میں کئی مزدوروں اور گتہ داروں کی محنت خرچ ہوئی ہے مگر لوگوں کو معلوم ہے کہ ان تمام لوگوں نے شاہجہاں کے حکم سے کام کیا ہے اور شاہجہاں کی مرضی تھی کہ وہ تاج محل بنائے اس

لئے وہ اس کی مرضی کے مطابق بنایا گیا۔

ہمارے گھروں میں حکومت کی ٹانکی سے پانی سپلائی کیا جاتا ہے اور حکومت کی ٹانکیوں میں تالابوں سے پانی آتا ہے مگر کوئی بھی انسان نہ ٹونٹی پر نگاہ رکھتا ہے نہ پائپ پر اور نہ ٹانکیوں پر اور نہ تالابوں پر، ہر ایک کی نگاہ آسمان پر ہوتی ہے، پانی کے نہ آنے پر اگر کوئی ٹونٹی پر پھول کا ہار ڈال کر اور اس پر ناریل پھوڑ کر اس کی پرستش کرے تو لوگ اسے پاگل کہیں گے۔

اسی طرح ہمارے گھروں میں بجلی حکومت کے کنٹرول روم سے سپلائی ہوتی ہے اور کنٹرول روم میں بڑے بڑے ہائی ٹینشن وائروں کے ذریعہ پاور ہاؤس سے سپلائی ہوتی ہے اور پاور ہاؤس میں بجلی بنانے کے بڑے بڑے جنریٹرس سے سپلائی ہوتی ہے، بجلی کے نہ ملنے پر کوئی بھی اپنے گھر میں بلب پر پھول کا ہار ڈال کر اس کی ڈنڈوت نہیں کرتا، ہر شخص کی نگاہ پاور ہاؤس پر ہوتی ہے۔

غرض ان مثالوں سے ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان چیزوں میں انسانوں کی نگاہ درمیانی اسباب پر نہیں ہے بلکہ اصل چیز پر نگاہ ہے مگر زندگی کے نظام اور پرورش میں اللہ پر نگاہ رکھنے کے بجائے درمیانی اسباب پر نگاہ رکھتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ یہاں ان کی عقل کیوں کام نہیں کرتی؟

اسی طرح غور کرتے جایئے کہ دنیا میں بہت سارے انسانوں نے اللہ کو تو اللہ مانا مگر پلنے کا تصور دوسروں سے قائم کرلیا، مثلاً گائے، درخت، دوکان یا دوکان کا سامان، ہنر اور ہنر کا سامان جیسی چیزوں سے پلنے کا تصور رکھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں حالانکہ پالنے والا پرورش کرنے والا اللہ ہی ہے یہ سامان نہیں۔

مسلم اور غیر مسلم کی فکر کا فرق

مگر مسلمان بھی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے جب اللہ کی شان ربوبیت سے واقف نہیں ہوتے تو اسباب کو اختیار کر کے دوسرے انسانوں کی طرح اسباب ہی پر نگاہ جمالیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو رب مانتے ہوئے بھی دوکان ہی سے بننے اور بگڑنے کا یقین کرلیتے ہیں، نوکری کو اختیار کر کے نوکری ہی سے جینے اور مرنے کا تصور رکھتے ہیں، ڈگری، سند یا ہنرمندی کو اختیار کر کے اسی پر نگاہ جمالیتے ہیں، ہزاروں مسلمان ایسے بھی ہیں جو باپ، بیٹا اور شوہر وغیرہ ہی سے پلنے اور

نہ پلنے کا تصور کر لیتے ہیں حالانکہ ہر روز نماز میں بار بار رب کا اقرار کرتے ہیں مگر پھر بھی ان کی نگاہ اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتی، مثلاً بچے سے پوچھو تمہیں کون پال رہا ہے؟ تو وہ کہتا ہے، باپ پال رہا ہے، اسے اللہ نظر نہیں آتا، اس کی نگاہ باپ پر ہی رک گئی۔

ماں سے پوچھو تمہیں کون پال رہا ہے؟ تو وہ کہتی ہے کہ مجھے میرا بیٹا یا بیٹے پال رہے ہیں، اسے اللہ نظر نہیں آتا، اس کی نگاہ بیٹے پر ہی رک گئی، عورت سے پوچھو تمہیں کون پال رہا ہے؟ تو کہتی ہے شوہر پال رہا ہے، اس کو اللہ نظر نہیں آتا اس کی نگاہ شوہر پر رک گئی ہے۔

دوکاندار سے پوچھو تمہیں کون پال رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ دوکان پال رہی ہے، اسے اللہ نظر نہیں آتا، اس کی نگاہ دوکان پر ہی رک گئی ہے۔

نوکر سے پوچھو تمہیں کون پال رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے نوکری پال رہی ہے، اسے اللہ نظر نہیں آتا، اس کی نگاہ نوکری پر ہی رک گئی ہے۔

ڈگری والے اور ہنر مند سے پوچھو اسے کون پال رہا ہے تو کہتا ہے؟ مجھے میری ڈگری اور ہنر مندی پال رہی ہے، اسے اللہ نظر نہیں آتا، اس کی نظر ڈگری اور ہنر پر رک اور جم گئی ہے۔

اللہ اور دوکاندار کے درمیان دوکان پردہ بن گئی ہے، اللہ اور نوکر کے درمیان نوکری پردہ بن گئی ہے، اللہ اور ماں کے درمیان بیٹا پردہ بن گیا، اللہ اور عورت کے درمیان شوہر پردہ بن گیا، اللہ اور بیٹے کے درمیان باپ پردہ بن گیا ہے۔

نوکری سے پلنے کا غلط تصور: ایک شخص اپنی زندگی گذارنے کے لئے نوکری جیسے سبب کو اختیار کرتا ہے، اب دیکھئے کہ اس کی نگاہ اور یقین کس پر ہے؟ اگر حکومت کی جانب سے اس کو وظیفے سے پہلے ہی نوکری سے نکال دیا جائے تو وہ بہت زیادہ پریشان ہو کر رونا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے میرا گذر بسر کیسے ہوگا؟ میرے بچے بھوکے مر جائیں گے، میری لڑکیوں کی شادی کیسے ہوگی اور بعض کو پیشاب وغیرہ خطا ہو کر ہارٹ اٹیک تک ہو جاتا ہے اور بعض بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔

اچھا اب ذرا دوسرے رخ سے غور کیجئے کہ اسی آدمی کے اگر کسی منسٹر یا آفیسر سے دوستی اور تعلقات ہوں یا اس کو کسی دوسری جگہ پر بھی نوکری کے لئے آفر (Offer) دیا گیا ہو یا عرب ممالک میں ویزا ملنے کی توقع ہو تو وہی شخص اپنی نوکری کے چلے جانے سے پریشان نہیں ہوگا بلکہ یوں کہے گا

کہ ٹھیک ہے نوکری سے نکالتے ہو تو نکال ڈالو میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں، تمہاری نوکری تم کو مبارک میں دوسری طرف محنت مزدوری کرلوں گا۔ نوکری چلے جانے کے بعد جب منسٹر یا ویزا کے اسباب نظر آتے ہیں تو ویزا اور منسٹر جیسی حقیر چیزوں پر نگاہ رکھتا ہے مگر ہر روز نماز میں الحمد لله رب العالمين کے ذریعہ صفت رب کو یاد کر کے بھی اپنے مالک پر نگاہ نہیں رکھتا جو حقیقی رب ہے، قول سے تو اللہ تعالیٰ کو رب مانتا ہے اور فعل سے غیر مسلموں کی طرح اسباب پر نگاہ رکھتا ہے۔

دوکان سے پلنے کا غلط تصور: اسی طرح ایک شخص اپنی زندگی گذارنے کے لئے تجارت و دوکان کے اسباب کو اختیار کرتا ہے، فرض کر لیجئے فساد وغیرہ میں اس کی دوکان کو توڑ پھوڑ کر جلا دیا جاتا ہے یا بلدیہ کی جانب سے دوکان کو توڑ دیا جاتا ہے تو دوکاندار اپنی دوکان کو تباہ و برباد حالت میں دیکھ کر یا تو بے ہوش ہو جاتا ہے یا واویلا مچاتا ہے، روتا ہے، سینہ کوبی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو برباد ہو گیا، میرے بال بچوں کا کیا ہوگا؟ وہ کیا کھائیں گے؟ مگر دوسرے رخ سے بھی سوچئے کہ اگر اسی دوکاندار کی ایک اور دوکان ہو یا اس کے پاس کافی جائیداد ہو یا پھر اس دوکان کا انشورنس ہو تو وہ دوکاندار وہیں کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ پھر کوشش کر کے اپنے کاروبار کو جما لوں گا۔

ایک دوکان کے علاوہ اور ایک دو دوکانیں ہوں یا جائیداد ہو یا انشورنس ہو تو ایسی حقیر چیزوں پر یقین اور نگاہ ہے مگر ہر روز نماز میں الحمد لله رب العالمين کے ذریعہ صفت رب یاد کرنے کے باوجود اللہ پر نگاہ نہیں دوکان ہی کو رب سمجھتے ہیں۔

اور بعض لوگوں کا عالم تو یہ ہوتا ہے کہ بس دوکان ہی سے چمٹے رہتے ہیں، نماز تک کو نہیں جاتے، ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ نماز کو جانے سے روزگار مار کھاتا ہے، گاہک بھٹک جاتے ہیں، حالانکہ وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ گاہک کو دوکان پر لانے والا کون ہے؟ اگر اللہ اس گاہک کے دل میں دوسری دوکان کا خیال ڈال دے تو پھر دن بھر دوکان کھلی رکھنے کے باوجود کچھ بھی نہیں ملتا یا اگر اللہ تعالیٰ بیمار کر دے تو پھر خود بخود دوکان بند ہو جاتی ہے، عام طور پر دعوت، شادی بیاہ کی تقریبات میں تو دوکاندار دوکان پر کسی دوسرے کو بٹھا کر دعوت میں ضرور شریک ہوتے ہیں مگر نماز کے لئے وہ دوکان نہیں چھوڑتے، ہزاروں ایسی دوکانیں ہیں جن کا چلتے چلتے دیوالیہ ہی نکل جاتا ہے اور دوکان خود بخود بند ہو جاتی ہے، ایسے لوگ قول سے تو اللہ تعالیٰ سے پلنے کا اظہار کرتے ہیں

مگر عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دوکان کے بغیر ان کی زندگی نہیں چل سکتی۔

اچھا اب ذرا غور وفکر سے کام لیں اور سوچیں کہ آپ دوکان سے کیا چیز حاصل کر رہے ہیں؟ غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ دوکان سے صرف روپیہ پیسہ ہی کما رہے ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے زندہ رہنے کے لئے صرف روپیہ پیسہ ہی کافی ہے؟ نہیں بلکہ ہم کو زندہ رہنے کیلئے ہوا، پانی اور غذا چاہئے، مگر ایک انسان دوکان کے ذریعہ صرف روپیہ پیسہ ہی کماتا ہے اور اس سے اناج اور ضروریات زندگی کا سامان ہی خرید سکتا ہے، وہ بھی صرف عیش و عشرت کی چیزیں مگر زندگی گذارنے کی دوسری چیزیں ہوا اور پانی کہاں سے مل رہی ہیں؟ کیا ہوا اور پانی کو بھی ہم خرید رہے ہیں؟

اگر دوکان موجود ہو مگر ہوا نہ ہو تو کیا ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ اور کیا دوکانداری کر سکتے ہیں؟ اگر خدا اس ہوا کو بھی مخلوق کے کنٹرول میں دیدے تو کیا ہم اپنی پوری کمائی روزانہ اپنی ضرورت بھر ہوا حاصل کرنے میں خرچ نہیں کرتے؟ سب کچھ ہو مگر ہوا نہ ملے تو کیا آپ ہوا کی خاطر اپنی دوکان تک قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں گے؟ مگر پھر بھی دوکاندار نماز کے اوقات میں دوکان نہیں چھوڑتے اور دوکان سے پلنے کا یقین رکھتے ہوئے عمل سے دوکان ہی کو رب سمجھتے ہیں، قول اور فعل میں کتنا فرق ہے؟

اچھا اب اس بات پر بھی غور کیجئے کہ آپ دوکان سے پیسہ کما کر اناج خریدتے ہیں اور جب اناج کو پکانا چاہیں اور پانی نہ ملے تو پھر آپ اناج کس طرح استعمال کریں گے؟ کیا کچا اناج اور پتے ہی کھا جائیں گے؟ اور پھر یہی غذا حلق سے نیچے اتارنے کے لئے پانی نہ ملے تو پھر آپ پانی کی خاطر دوکان کو قربان نہ کر دیں گے؟ جو اللہ آپ کو ہوا اور پانی مفت دے رہا ہے تو ان نعمتوں کی آپ کو قدر نہیں؟ مگر افسوس کہ دوکان سے صرف پیسہ کما کر غذا کے علاوہ عیش وعشرت کا سامان مثلاً موٹر، زمین، مکان، سونا، چاندی جیسی چیزیں خریدتے ہیں جس کے بغیر بھی زندگی گذرتی ہے اور دنیا میں بہت سارے انسان ایسے ہیں جن کے پاس یہ سب چیزیں نہیں مگر ان کی زندگی سکھ چین سے گذر رہی ہے، مگر افسوس دوکان کی کمائی کی محبت اتنی زیادہ ہے کہ اس دوکان کو نماز کے لئے چھوڑ نہیں سکتے حالانکہ نماز کے بغیر زندگی میں برکت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، غور کیجئے کہ

ایسے لوگوں کے نزدیک اللہ بڑا ہے یا دوکان بڑی ہے؟ اوران کی نگاہ اللہ پر ہے یا دوکان پر؟ اکثر لوگ بےشعوری کے ساتھ غیر مسلموں کی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ دوکان ہی کی وجہ سے آج وہ اپنے بال بچوں کو پال رہے ہیں ورنہ کیا ہوتا نہیں معلوم، غیر مسلم بھی دن بھر دوکان ہی کو سب کچھ سمجھ کر تجارت کرتا ہے مگر وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتا اور اگر مسلمان بھی وہی کرے تو پھر ہماری تجارت اور غیر مسلم کی تجارت میں فرق ہی کیا باقی رہا؟

اگر اللہ تعالیٰ سے پلنے کا یقین ہوتا تو اللہ کو اللہ مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب سمجھتے تھے اور دوکان کو نماز کے اوقات میں آسانی سے چھوڑ سکتے تھے، مگر دوکان کو اصل سمجھتے ہیں اور دوکان ہی سے پلنے کا یقین رکھتے ہیں اس لئے اللہ کو برائے نام رب مانتے ہوئے دوکان کو اصل رب سمجھ رہے ہیں اسلئے مسجد کی طرف جانے کیلئے تیار نہیں، اسی طرح وکیل، ڈاکٹر بھی اپنے آفس اور دواخانوں کو نماز کے اوقات میں چھوڑتے ہی نہیں بس کمانے میں مصروف رہتے ہیں۔

بہت سے دوکاندار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا اقرار کرتے ہیں اور قول سے تو اللہ کو رب مانتے ہیں مگر اپنی دوکان میں نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو سیلز گرل بناتے ہیں، غیر مسلم تو غیر مسلم، مسلم ممالک میں بھی مسلمان اپنی کمپنیوں اور بنکوں میں کاونٹروں پر اور ہوائی جہازوں میں کام کرنے کے لئے ایر ہوسٹس کی نوکریوں میں نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو اس لئے ملازم رکھتے ہیں کہ گاہک خوب آئیں اور ان کا یقین ہوتا ہے کہ ایسی لڑکیوں کو کاونٹروں پر رکھنے سے دوکان اور بنکوں کے کاروبار اچھے چلتے ہیں، گاہک ان لڑکیوں کی خاطر دوکان کی طرف متوجہ ہوکر آتے ہیں اور سیل زیادہ ہوتا ہے، دواخانوں میں بھی عورتوں کو ملازم رکھ کر گویا مریض اور تیماردار کی دلچسپیوں کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔

حالانکہ یہ لوگ قول سے تو اللہ کو رب مانتے ہیں اور عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں دوکان خوبصورت لڑکیوں کو کھڑے کرنے سے خوب چل رہی ہے اور ان کو فائدہ ہو رہا ہے یعنی عمل سے غیر مسلموں کے عقیدہ کے مطابق احساس رکھتے ہیں۔

اسی طرح ایک ٹورسٹ بس کا مالک اپنی بس میں ویڈیو فلم لگا کر یہ تصور کرتا ہے کہ ویڈیو فلم اور فلمی گانوں ہی کی وجہ سے زیادہ مسافر اس کی بس میں سفر کریں گے اور دھندا کامیاب

رہے گا حالانکہ یہ شخص اللہ کو رب مانتا ہے مگر غیر مسلموں کی طرح گمراہ اور ناپاک یقین رکھتا ہے اور اپنی کمائی کو حرام بناتا ہے۔

اسی طرح بہت سارے لوگ ہوٹلیں لگا کر غیر مسلموں کی طرح یہ تصور رکھتے ہیں کہ ہوٹل ریکارڈنگ اور ڈیکوریشن سے چلتی ہے، ہوٹل میں ریکارڈنگ نہ ہو تو ہوٹل چل ہی نہیں سکتی، گاہک نہیں آتے، حالانکہ وہ اللہ کو رب مانتے ہیں اور ہر روز نماز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کے ذریعہ اللہ سے پلنے کا اقرار کرتے ہیں مگر پھر بھی ہوٹل کے چلنے کا انحصار ریکاڈنگ پر سمجھتے ہیں، غور کیجئے کہ ایرانی لوگ یا غیر مسلم اپنی بڑے بڑے ہوٹلوں میں ریکارڈنگ وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے مگر ان کی ہوٹلیں خوب چلتی ہیں۔

عام طور پر ہم بازاروں میں دیکھتے ہیں کہ بہت سارے مسلمان، موز (کیلا)، انگور، سیب وغیرہ ٹھیلہ بنڈیوں میں رکھ کر فروخت کرتے ہیں اگر اتفاق سے کوئی دوسری بنڈی والا وہی چیز لا کر اس کے قریب ٹھہر جائے تو وہ پہلی بنڈی والا اس نئے بنڈی والے کو برداشت نہیں کرسکتا اور اس کو ہٹائے بغیر چین نہیں لیتا حالانکہ قول سے تو یہ کہتا ہے کہ اللہ ہی پالنے والا ہے مگر فعل سے غیر مسلموں کی طرح یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوسری بنڈی اگر اس کے قریب ٹھہر جائے تو کاروبار نہیں چلتا حالانکہ اس کو تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے اور وہ ہم دونوں کے کاروبار کو چلانے والا ہے۔

اسی طرح ایک دوکاندار کے قریب کوئی اور دوکان اسی کاروبار کی کھل جائے تو اس پہلے دوکاندار کو بڑی پریشانی شروع ہوجاتی ہے، وہ ہمیشہ اس نئے دوکان کے کاروبار کو ختم کرنے کی سوچتا ہے یعنی وہ اپنے ہی قریب دوسری دوکان میں اپنے جیسے کاروبار کو بالکل برداشت نہیں کرنا چاہتا۔

دوسرے کے کاروبار کو گرانے کی خاطر گاہک سے اپنے مال کو اچھا اور اصلی کہتا ہے اور دوسرے کے مال کو خراب اور نقلی کہتا ہوا ہر قسم کا نقص دوسرے کے مال میں ظاہر کرتا ہے، حالانکہ یہ ہی تاجر قول سے تو نماز کی ہر رکعت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے پلنے کا اقرار کرتا ہے مگر عمل سے دوسرے کی دوکان سے بس پریشان ہی پریشان رہ کر غیر مسلموں کی طرح حرکتیں کرتا رہتا ہے، غور کیجئے کہ اس قسم کے تاجر کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا اقرار کتنی بے شعوری کے ساتھ ہے، اس کے قول و فعل میں کتنا بڑا فرق ہے، حالانکہ قول و فعل

میں فرق تو غیر مسلم کا ہوتا ہے، غیر مسلم سے جب بھی پلنے کا سوال کیا جائے تو وہ آسمان کی طرف ہاتھ اور چہرہ اٹھا کر کہتا ہے کہ اوپر والا مالک مجھے پالتا ہے مگر فعل سے وہ دوسروں کی دوکان اور کاروبار سے پریشان ہوکر یہ ساری حرکتیں کرتا ہے جو ابھی بیان گئی ہیں۔

اسی طرح ایک تاجر کسی کی ملگی کرائے پر لیکر تجارت کرتا ہے اور پھر چند سالوں کے بعد اس ملگی کا مالک خالی کرنے کو کہتا ہے تو یہ تاجر اس کی ملگی خالی نہیں کرتا اور اس کو عدالت تک لے جاتا ہے، حالانکہ وہ ہی تاجر نماز کی ہر رکعت میں بار بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کا اقرار کر کے اللہ سے پلنے کا اظہار کرتا ہے اور قول سے اللہ کو رب مانتا ہے مگر عمل سے غیر مسلموں کی طرح عمل ظاہر کر کے یہ ثبوت دیتا ہے کہ ملگی خالی کرنے سے بنی بنائی زندگی، جمے جمائے کاروبار ختم ہوجائیں گے، ایسا کاروباری سنٹر اور مقام دوسری جگہ نہیں مل سکتا، اسی جگہ اور بازار کی وجہ سے میرے کاروبار چل رہے ہیں، یہ جگہ ہرگز چھوڑ نہیں سکتا اور بہت سے لوگ تو دوکانوں اور مکانوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

دوسرے رخ سے سوچئے کہ وہی ملگی بارش، طوفان اور زلزلہ کی وجہ سے گر جائے یا حکومت وہاں سے سڑک وغیرہ بنائے اور بازار ختم ہوجائے تو یہی تاجر دوسری جگہ پر بھرپور کوشش کر کے اپنی تجارت جمالیتا ہے، اس وقت اس کو بازار، کاروباری سنٹر اور مقام کچھ بھی یاد نہیں آتا، غور کیجئے کہ ایسے لوگ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کتنی بے شعوری کے ساتھ صرف رسمی انداز میں پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے قول اور فعل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

اسی طرح کوئی آدمی خاندان میں اپنی جیسی تجارت کو دوسروں کے پاس شروع ہوجانے پر یا اس کی اسی تجارت میں ترقی کرنے پر بہت حسد اور جلن میں مبتلا ہوکر دوسروں کے کاروبار کو جادو، تعویذ، گنڈے، ٹونے ٹوٹکے یا علوم سفلی وغیرہ سے یا پھر کاریگروں کو بھٹکا کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ نماز کی ہر رکعت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کا قول سے اقرار کر کے اللہ کو رب مانتے ہیں مگر عمل سے حرکتیں پوری غیر مسلموں کی طرح کرتے رہتے ہیں، ان کی بھی زندگی میں اللہ کو رب ماننا بے شعوری اور غفلت کے ساتھ ہوتا ہے۔

ایک کسان دوسروں کے کھیت کی پیداوار پر اور ایک پیسے والا دوسرے پیسے والے کو

دیکھ کر بس جلن اور حسد میں مبتلا ہوتا ہے حالانکہ یہ سب لوگ قول سے تو اللہ کو رب مانتے ہیں، اور بار بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ بھی پڑھتے رہتے ہیں مگر عمل سے غیر مسلموں کے اعمال اختیار کر کے اسباب کو رب سمجھتے ہیں یا شیطانی اعمال سے پلنے کا یقین رکھتے ہیں، کیسی بے شعوری کی حالت ہے۔

باپ، بیٹا، شوہر، بھائی سے پلنے کا غلط تصور: اسی طرح بہت سارے لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ ان کو ان کا باپ پال رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ ان کو ان کا بیٹا پال رہا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ مجھے میرا شوہر پال رہا ہے اور وہ یہ کہتے ہوئے انہی پر یقین رکھتے ہیں اور انہی پر نگاہ جما لیتے ہیں، اس کو ایک مثال سے سمجھئے: (مثال رہبری کے لئے ہے) مثلاً اگر ایک عورت کا شوہر انتقال کر جائے اور اس کے بچے چھوٹے یا بیروزگار ہوں تو ہر شخص اس کے شوہر کی موت پر بے شعوری کے ساتھ یہی کہتا ہے کہ ان کی پرورش اب کیسے ہوگی؟ ان کو کون پالے گا؟ یہ بے سہارا ہو گئے، اس عورت پر بھی شوہر کی موت اور جدائی کے غم کے ساتھ ساتھ اپنے اور اپنے بچوں کی پرورش اور نگہداشت کی پریشانی کا بوجھ اتنا پڑتا ہے کہ وہ بعض اوقات غم کی شدت سے بیہوش تک ہو جاتی ہے اور بعض کو دانت کیلی بیٹھ جاتی ہے اور بعض بیان کر کر کے روتی ہیں۔

مگر دوسرے رخ سے بھی سوچئے کہ اگر اسی عورت کے ایک یا دو بچے روزگار سے لگے رہیں یا عرب ممالک میں ہوں تو پھر اسی عورت پر اپنے شوہر کی موت کے اتنے اور ویسے اثرات نہیں پڑتے اور عورت کے اندر یقین کا احساس بھی الگ ہوتا ہے اور بعض تو میت کے گھر سے چلے جانے کے بعد اس کا بھی غم جھٹک دیتی ہیں اور پاندان کھول کر ادھر ادھر کی باتوں میں لگ جاتی ہیں۔

پہلی حالت میں اللہ پر سے نگاہ ہٹا کر حالات سے پریشان ہو جاتی ہیں اور دوسری حالت میں اسباب کا یقین رکھ کر اسباب پر نگاہ جما لیتی ہیں حالانکہ ہر روز نماز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھتے ہیں۔ اکثر لوگ کم علمی اور بے شعوری کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے شوہر، باپ، بیٹے ہی کے سہارے کی وجہ سے آج ہم پل رہے ہیں، ورنہ در در بھیک مانگنا پڑتا، اللہ پر نگاہ نہیں بلکہ باپ، بیٹا اور شوہر پر نگاہ ہے، گویا ان کو رب سمجھ رہے ہیں حالانکہ ان کو یوں کہنا

چاہئے کہ اللہ مجھے میرے بیٹے یا شوہر یا باپ کے ذریعہ پال رہا ہے۔

زندگی کے ہر شعبہ سے اللہ کی بڑائی کو ظاہر کرنا

جب ہم اللہ تعالیٰ ہی کو بڑا مانتے ہیں تو زندگی کے ہر شعبہ سے اللہ ہی کی بڑائی کو ظاہر کرنا ہوگا اور ہماری نگاہ صرف اللہ ہی پر ہونی چاہئے، ہمارے کاموں سے، ہماری باتوں سے اور ہماری فکر سے اللہ ہی کی بڑائی ظاہر ہونی چاہئے اور ہم کو اللہ کا حکم بھی یہی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے خدا کو یاد کرتے رہیں جیسے مسلمان کے عمل اور غیر مسلم کے عمل میں فرق ہوتا ہے، اسی طرح مسلمان کی گفتگو اور غیر مسلم کی گفتگو میں فرق ہونا چاہئے، غیر مسلم ہمیشہ غفلت والی اور غیر شعوری گفتگو کرتا ہے مسلمان کو ہمیشہ شعوری گفتگو کرنا ہوگا، مثلاً مسلمان ملاقات میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کی بڑائی کو ظاہر کرتا ہے اور وعدہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لیکر اس کی بڑائی بیان کرتا ہے، اسی طرح جب کھانا کھاتا ہے تو پہلے اللہ کا نام لیکر کھاتا ہے، کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، کسی انسان کی نگاہ درمیانی اسباب پر نہیں ہوتی بلکہ ہر انسان کی نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اللہ ہی کی بڑائی بیان کرتا ہے اور خاص طور پر غذا کے تعلق سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ میری بھوک مٹانے والا میرا شوہر یا میرا باپ یا میرا بیٹا یا میرا بھائی ہے بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ سارے اسباب و ذرائع ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ مجھے رزق دے رہا ہے اسی لئے وہ کھانے اور پانی کے معاملہ میں درمیانی اسباب کی بڑائی بیان نہیں کرتا بلکہ اپنے مالک حقیقی کی بڑائی بیان کرتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ زندگی کے دوسرے معاملات مثلاً تعلیم، نوکری، تجارت، روپیہ پیسہ، بیماری، تندرستی میں انسان کی نگاہ خدا پر نہیں جاتی بلکہ اسباب پر ہی رک جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے اسباب کی بڑائی اور تعریف بیان کرتا ہے۔

ڈگری سے پلنے کا غلط تصور: مثلاً ایک استاد کی ملاقات اپنے ایک شاگرد سے ہوئی جو ڈاکٹر بن گیا تھا، ملاقات کے دوران ڈاکٹر کہتا ہے کہ میرے ماں باپ کی وجہ سے میں آج اس مقام پر ہوں ورنہ پتہ نہیں کس فٹ پاتھ پر جوتا پالش کرتا رہتا، استاد نے کہا میاں ایسا جملہ تو عام

طور پر (غیر مسلم) غافل انسان کہتے ہیں تم تو مسلمان ہو، تم کو تو یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ماں باپ کو توفیق دی تو انہوں نے محنت کر کے مجھے ڈاکٹر بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ تم ڈاکٹر بنو اور ڈاکٹر بنانے کے لئے ماں باپ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال پیدا فرمایا اور پھر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماں باپ کو روپیہ پیسہ اور اسباب عطا کئے جس کی وجہ سے وہ تمہاری مدد کر سکے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ماں باپ کو غریب مفلس اور پریشان حال رکھتا اور یہ فکر بھی نہ دیتا تو پھر وہ تمہاری مدد کیسے کرتے اور تم کو ڈاکٹر کس طرح بناتے؟ اور اسی طرح یہ بھی ذہن میں رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بہترین دماغ عطا فرمایا اور آنکھوں کو لکھنے پڑھنے کے قابل بنایا، اگر وہ تم کو پاگل کر دیتا یا اندھا بنا دیتا اور تمہارے ماں باپ لاکھ کوشش کرتے تو کیا تم ڈاکٹر بن سکتے؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو اور اسی کی بڑائی ظاہر کرو اور یوں کہوں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے ماں باپ کو توفیق دی اور میرے حالات کو سازگار رکھا جس کی وجہ سے میں آج ڈاکٹر بن سکا، ڈاکٹر کا بنانا اور نہ بنانا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ہنر سے پلنے کا غلط تصور: اسی طرح بعض حضرات جو درزی، بڑھئی، ڈرائیور کا کام کرتے ہیں بے شعوری میں یہ کہتے ہیں کہ آج ہم اس ہنر کی وجہ سے زندہ ہیں ورنہ دو وقت کی روٹی ملنا مشکل تھا، اسی ہنر کی وجہ سے ہم کو روٹی مل رہی ہے اور اسی ہنر کی وجہ سے ہماری زندگی چل رہی، ایسی باتیں (غیر مسلم) غافل انسان کہتے ہیں اور یہ غیر مسلموں کی گفتگو کا انداز ہوتا ہے جن کی نگاہ اسباب پر ہوتی ہے، وہ ہمیشہ ایسی ہی بے شعوری کی باتیں کرتے ہیں مگر مسلمان کو اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنی چاہئے اور یوں کہنا چاہئے کہ اللہ نے مجھے یہ ہنر عطا فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے دو روٹی چین کی دے رہا ہے، غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مفلوج کر دے یا ہاتھ پیر کٹے جائیں یا ان میں پیدائش ہی سے نقص رہ جاتا تو کیا کوئی ہنر سیکھ سکتا تھا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ایسے انسانوں کے ہاتھوں کو صحیح و سلامت رکھا اور صحت مند و تندرست بنایا جس کی وجہ سے انسان ہنر سیکھنے کے قابل بنا اور ہنر کے ذریعہ جو روٹی مل رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کا نتیجہ ہے۔

دواؤں سے صحتمند ہونے کا احساس: اسی طرح مریض کہتے ہیں کہ فلاں ڈاکٹر کی وجہ سے میری بیماری دور ہوگئی، وہ بڑا اچھا ڈاکٹر ہے، اس نے کئی مریضوں کو اچھا کر دیا، یہ باتیں

بھی بے شعوری کی ہیں، یہ انداز غیر مسلموں کی گفتگو کا ہوتا ہے، مسلمان کی نگاہ اللہ پر ہونی چاہئے، ڈاکٹر اور دوا پر نہیں اور ایک مسلمان کو یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں ڈاکٹر کے ذریعہ مجھے شفاء عطا فرمائی اور بہت سے مریضوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعہ شفاء عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح بعض مریض یوں کہتے ہیں کہ فلاں دوا استعمال کرنے سے میری بیماری دور ہوگئی، وہ دوا کھانے سے ہی میں اچھا ہوگیا ہوں بلکہ مسلمان کو یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں دوا کے استعمال کرنے سے شفاء عطا فرمائی، دوا میں نہ تو مارنے کی اور نہ اچھا کرنے کی طاقت ہے، دوا تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام کرتی ہے، ایک ہی دوا اگر چار مریضوں کو دی جائے تو ان میں سے تین اچھے ہوتے ہیں اور ایک مرجاتا ہے، دوا میں بچانے کی طاقت ہوتی تو چاروں کے چاروں اچھے ہوجاتے، غرض ہم کو گفتگو بھی شعور کے ساتھ کرنا چاہئے جس سے اللہ کی ربوبیت اور بڑائی ظاہر ہو، حالانکہ ہم ہر روز نماز میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' پڑھتے ہی رہتے ہیں مگر شعور کے ساتھ نہیں پڑھتے غفلت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

غرض بہت سارے مسلمان کم علمی کی وجہ سے غیر مسلموں کی طرح غفلت اور بے شعوری کے ساتھ اسباب کی بڑائی ظاہر کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ فلاں بیماری کی وجہ سے میرا بیٹا مرگیا، کوئی کہتا ہے کہ فلاں دوا کھانے سے ہی میری بیماری دور ہوگئی، کوئی کہتا ہے کہ ڈرائیور کی غلطی اور تیز رفتاری ہی کی وجہ سے یہ حادثہ ہوا اور کوئی کہتا ہے کہ ڈرائیور اور پائیلٹ کی ہوشیاری کی وجہ سے ہم سب کی جانیں بچ گئیں۔

اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ حکومت کی نااہلی کی وجہ سے فساد ہورہا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ فلاں پارٹی کی وجہ سے فتنہ وفساد برپا ہورہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ عہدیداروں میں تعصب ہے اس لئے نقصان پہنچا رہے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ عہدیدار رحم دل ہیں اس لئے حفاظت کررہے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ الکٹرک شاک اور فلاں غفلت کی وجہ سے دوکان جل گئی اور کوئی کہتا ہے کہ لوگ اور حکومت کے عملہ کی پھرتی کی وجہ سے دوکان جلنے سے بچ گئی، کوئی کہتا ہے خوبصورتی اور تعلیم کی وجہ سے اس کو فلاں رشتہ ملا ہے اور کوئی کہتا ہے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے اچھا رشتہ نہیں ملا، کوئی کہتا کہ فلاں کھاد ڈالنے کی وجہ سے پیداوار خوب ہورہی ہے، بے جان چیزیں مثلاً زلزلہ، طوفان، طغیانی

اور قحط وغیرہ سے نقصان ہوتا ہے، تو ہر انسان اس تکلیف کو اللہ تعالی کی طرف نسبت دیتا ہے کوئی بھی زمین ہوا اور پانی کی شکایت نہیں کرتے ،اس کے برخلاف جاندار چیزیں مثلاً درندے، ظالم بادشاہ یا انسانی فساد سے تکلیف ہوتی ہے تو غیر مسلموں کی طرح مسلمان بھی اسباب کی طرف نسبت دیتے ہیں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دینے تیار نہیں ہوتا۔

غرض زندگی کے ہر شعبہ میں چاہے وہ خوشی اور غم کا ماحول ہو یا زندگی اور موت کا وقت ہو یا بیماری اور صحت کی حالت ہو یا امن اور فساد کی کیفیت ہو سارے کے سارے شعبوں میں اللہ تعالیٰ سے جینے اور مرنے ،اللہ تعالیٰ سے بننے بگڑنے کا اظہار کرنے کے بجائے اسباب سے بننے بگڑنے ،اسباب سے جینے مرنے ،اسباب سے نفع ونقصان کا اظہار کرتے ہیں اور اسباب پر ہی نگاہ رکھتے ہیں حالانکہ زندگی کی ہر حالت میں یوں ہی کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ جب سورج روشنی دے رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے، بادل پانی برسا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے، زمین پیداوار اگا رہی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے، جانور دودھ دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو کیا سانپ کاٹ رہا ہے اپنی مرضی سے؟ یا غیر مسلم یا حکومت یا کوئی انسان نقصان پہنچا رہا ہے تو کیا اپنی مرضی سے؟ ایکسیڈنٹ یا حادثہ ہو رہا ہے کار و موٹر کی وجہ سے؟ موت آ رہی ہے کیا بیماریوں کی وجہ سے؟ اس میں اللہ تعالی کی مرضی اور مشیت کی طرف دھیان کیوں نہیں جاتا؟ ہم ایمان مفصل میں اقرار کرتے ہیں کہ شر اور خیر سب اللہ کی طرف سے آتا ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا، نہ اس میں نقصان پہنچانے کی طاقت ہے اور نہ فائدہ۔

جب ایک کتے کو پتھر مارا جاتا ہے تو وہ کتا پتھر کے پیچھے نہیں بھاگتا بلکہ وہ جانتا ہے کہ پتھر کس کے ہاتھ سے مارا جا رہا ہے اس لئے وہ مارنے والے کی طرف دوڑتا ہے مگر انسان پر مصیبت پریشانی، فساد کے حالات آتے ہیں تو وہ حکومت اور لیڈروں اور پارٹیوں کی طرف رخ کرتا ہے خدا سے غافل بن جاتا ہے، یا درگاہوں اور قبروں کی طرف رخ کرتا ہے۔

حدیث قدسی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں الٰہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر رحم ومہربانی کے لئے پھر دیتا ہوں

اور جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر غصہ اور غضب کے لئے پھیر دیتا ہوں جس سے وہ ان کو سخت عذاب اور تکالیف پہنچانے لگتے ہیں، اس لئے تم بادشاہوں کے لئے بددعا کرنے میں مشغول ہوجانے کے بجائے میرے ذکر (میری یاد اور مجھے پکارنے) کی طرف متوجہ ہوجاؤ اور میری طرف زاری کے ساتھ عاجزی کرو تا کہ میں ان کی تکالیف سے تمہیں محفوظ رکھوں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جیسے تمہارے اعمال ہونگے ویسے حاکم تم پر مسلط کئے جائیں گے۔

غور کیجئے کہ جب دنیا کے کسی بھی علاقہ میں کوئی کام بادشاہ اور صدر کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا اور اس علاقہ میں جو کچھ ہوتا ہے ان تمام چیزوں سے وہ پوری طرح واقف اور باخبر ہوتا ہے تو کیا کائنات کا یہ شہنشاہ اپنی کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے وہ واقف نہیں؟ اور کائنات کی ساری چیزیں اس کی مرضی کے بغیر حرکت کیسے کرسکتی ہیں؟ ایک پتہ بھی اس کی مرضی کے بغیر ہل نہیں سکتا، یہ ساری کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام کرتی ہیں اور وہ وہی اکیلا ساری کائنات کا پروردگار ہے اس لئے نماز کی ہر رکعت میں بار بار الحمد للہ رب العالمین پڑھایا جارہا ہے اور صفت رب کو بار بار یاد دلایا جارہا ہے تا کہ انسان کی نگاہ اسباب کو اختیار کرتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ ہی پر رہے۔

جانوروں کی ربوبیت سے سبق حاصل کرنا چاہئے

دنیا میں مختلف مخلوقات کی زندگیوں پر غور کرکے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ صرف انسانوں ہی کی ضرورتوں کو نہیں بلکہ چرند پرند، کیڑے مکوڑے، نباتات وحیوانات غرض ہر جاندار و بے جان مخلوق کی ضرورتوں کو ہر لمحہ، ہر وقت اور ہر عمر میں پورا فرمارہا ہے اور ان کو پال رہا ہے۔

غور کرنے پر پتہ چلے گا کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کے پاس نہ دوکان ہے اور نہ ہنر اور نہ کوئی ڈگری، نہ ڈپلوما اور نہ دولت، چرندوں اور پرندوں کو دیکھئے کہ ان کے پاس نہ کوئی دولت ہوتی ہے اور نہ ڈگری اور نہ کوئی ہنر اور نہ ان کی کوئی دوکان اور نہ کسی پرندے کے پاس ۵۸/سال تک کی پکی ملازمت کی گیارنٹی کے ساتھ کوئی نوکری، ان کے پاس صرف دو آنکھ، دو پیر اور دو پر ہوتے ہیں پرندے ہر روز صبح اللہ کے بھروسہ پر اپنا اور اپنے بچوں کا رزق تلاش کرنے نکل جاتے ہیں، وہ صبح

بھوکے اٹھتے ضرور ہیں مگر بھوکے سوتے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہر روز نیا نیا رزق دیتا ہے۔

اس کے برخلاف وہ انسان جس کا شمار اور مقام اشرف المخلوقات میں ہے اور جس کو چرندوں پرندوں سے بہترین دماغی صلاحیتیں دی گئی ہیں اور جس کے گھر میں ایک مہینے کا راشن جمع رہتا ہے جس کے پاس گیارنٹی کے ساتھ ۵۸ر سال کی پکی ملازمت موجود رہتی ہے اور جس کی دوکان میں ہزاروں روپیوں کا مال بھرا رہتا ہے، پھر بھی یہ انسان اپنے روزگار کے تعلق سے بس پریشان ہی پریشان نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے، کوئی کہتا ہے تنخواہ بس نہیں ہو رہی ہے حالانکہ وہ اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور امیروں کی طرح فیشن کی زندگی جھوٹی شان کے ساتھ گذارتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے آج کل دھندے میں جان نہیں ہے حالانکہ خود اس کی زندگی میں دین نہیں ہوتا، روپے پیسے کی حرص اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ سو کماتا ہے اور دو سو کمانے والے کی طرف دیکھتا ہے اور عام طور پر یہ دیکھا گیا کہ تاجر لوگ ہی بہت زیادہ فضول خرچ ہوتے ہیں، ان کا پیسہ بھاری بھاری لباس، سونا چاندی خریدنے اور بیکار رسم ورواج میں خرچ ہوتا ہے، جب آمدنی خوب آتی ہے تو خوب فضول خرچی کرتے ہیں اور جب آمدنی کم ہو جاتی ہے تو قرضدار بن جاتے ہیں، عام طور پر موجودہ زمانہ کے تاجر ایسے ہی بیوقوف ہوتے ہیں جن کی زندگی میں اعتدال نہیں ہوتا اور ہمیشہ بے شعوری کی گفتگو کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ ہنر بہت عام ہو گئے ہیں، کوئی کہتا کہ آبادی بہت بڑھ گئی ہے، دوکانیں بہت ہو گئی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ شوہر یا اولاد اچھی نہیں ہے، تجارت کرنے والا نوکری کی تمنا کرتا ہے اور نوکری والا کہتا ہے کہ تجارت ہوتی تو اچھا تھا، ہزار روپے کمانے والے کی نگاہ دو ہزار روپے پر ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر دو ہزار مل جائیں تو میری اور میرے بچوں کی پرورش اچھی ہو سکتی ہے، دو ہزار والا کہتا ہے کہ تین ہزار مل جائیں تو میری زندگی کے مسائل حل ہوں گے، پھیری والا یہ خواہش رکھتا ہے کہ میری بھی ایک چھوٹی سی دوکان ہو جائے تو میری زندگی آسانی سے گزر سکتی ہے، اور دوکان والا یہ حرص رکھتا ہے کہ ایک اور دوکان ہو جائے تو میری زندگی اچھی گذر سکتی ہے، ایک ڈاکٹر یہ خواہش رکھتا ہے کہ میرے اور دو دواخانے کھل جائیں تو پھر میری ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں، ہندوستان میں نوکری کرنے والا یہ سوچتا ہے کہ عربستان میں یا امریکہ اور لندن میں

نوکری مل جائے تو میری ضروریات پوری ہوجائیں گی اور میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کرسکوں گا، یہاں تو بس پریشانی ہی پریشانی ہے حالانکہ وہ تقویٰ اختیار نہیں کرتا، روزگار میں تنگی ہونے کے باوجود نماز نہیں پڑھتا، اللہ سے دعا نہیں مانگتا، اللہ کو رب تو مانتا ہے مگر پھر بھی خدا پر نگاہ نہیں رکھتا، وہ یہ نہیں سوچتا کہ پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے، وہ جب پالنے پر آتا ہے تو حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر میں اور اصحاب کہف کو غار میں یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان میں رکھ کر پالتا ہے۔

ایک دولت مند آدمی جس کی لڑکیاں خوبصورت نہ ہوں اگر اس کی توجہ لڑکیوں کی شادی کی طرف مبذول کرائی جائے تو اس کی نگاہ اللہ پر نہیں دولت پر مرکوز ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میری دولت کی وجہ سے کوئی بھی میری لڑکیوں سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوجائے گا، حالانکہ وہ ہر روز نماز میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' پڑھتا ہے مگر بے شعوری کے ساتھ پڑھتا ہے۔

ایک غریب آدمی جس کی لڑکیاں خوبصورت اور حسین ہوں اگر لڑکیوں کی شادی کی طرف توجہ دلائی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ اللہ پر نہیں حسن اور خوبصورتی پر ہے کیونکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میری لڑکیاں چاند اور سورج کی مانند ہیں کوئی بھی ان کے حسن کو دیکھ کر شادی کرلے گا، کوئی نہیں تو عرب کے شیخ الٹا پیسے دے کر شادی کرلیں گے، میرے پاس دولت نہیں تو کیا ہوا حسن ہے، حالانکہ وہ بھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن'' پڑھتا ہے مگر اللہ ہی سے تمام ضرورتیں پوری ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔

کوئی کہتا ہے کہ اگر میری شادی ملازم لڑکی سے ہوجائے تو زندگی سکون سے گذرتی اور میری ہر ضرورت پوری ہوسکتی ہے، وزیر یہ سمجھتا ہے کہ آج میں لوگوں کی وجہ سے اس کرسی پر بیٹھا ہوا ہوں، آفیسر یہ سمجھتا ہے کہ ڈگری کی وجہ سے آج میں اس عہدہ پر ہوں، غرض ہزاروں لاکھوں انسانوں کی نگاہیں بس اسباب پر ٹکی ہوئی ہیں حالانکہ یہ سارے لوگ نماز کی ہر رکعت میں الحمد لله رب العالمين کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ پر نگاہ نہیں رکھتے، افسوس کہ مسلمان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو تو رب مانتے ہیں مگر غیر مسلموں کی طرح اسباب پر ہی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کا یقین شان ربوبیت پر بے انتہاء کمزور ہوتا

ہے، حالانکہ ہر مسلمان کو یوں کہنا چاہئے کہ میرے پروردگار کے فضل کی وجہ سے میں آج اس مقام پر ہوں کوئی مجھے نہیں پال سکتا، نہ کرسی پال سکتی ہے نہ دوکان پال سکتی ہے اور نہ دولت پال سکتی ہے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے وہی پال سکتا ہے۔

سمجھانے کے لئے ایک مثال: ایک مرتبہ محمود بادشاہ نے اپنے وزیروں اور امیروں کے مجمع میں ہیرے جواہرات لٹائے، تمام وزراء اور امراء ہیرے جواہرات لوٹنے میں مصروف ہوگئے لیکن ایاز نے ان ہیرے جواہرات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور بادشاہ جب گھوڑے پر بیٹھ کر جانے لگا تو وہ بادشاہ کے ساتھ ہولیا، بادشاہ نے کہا ایاز تو ہیرے جواہرات چھوڑ کر میرے پیچھے پیچھے کیوں آرہا ہے؟ ایاز نے کہا کہ سرکار وہ بیوقوف ہیں جو چند ہیرے جواہرات کو لوٹنے میں مصروف ہیں، میں تو آپ کو لوٹنا چاہتا ہوں، اگر آپ میرے ہوگئے تو پھر ساری حکومت اور حکومت کی تمام چیزیں میری ہوجائیں گی۔ (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں) اسی طرح انسان کا بھی یہی حال ہوگیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوکان اور جائیداد، ہنر، نوکری، کھیت پر نگاہ روک کر اسی کو لوٹنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور اسی سے اپنی ضرورتیں پوری ہونے کا یقین رکھتے ہیں، اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ پر نگاہ نہیں رکھتے اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو اپنا بنانا نہیں چاہتے۔

نظام ربوبیت کو سمجھنے کا آسان طریقہ

اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے پیدا ہونے کے لئے عمومی طور پر دو طریقے رکھے ہیں، ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے انڈوں کے ذریعہ، ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے جانداروں میں سے انسان بھی ایک جاندار ہے جس کو اللہ تعالیٰ زمین سے پیدا ہونے والی مختلف غذاؤں کے مجموعہ سے بننے والے پانی کے قطرہ سے تخلیق کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ پانی کے اس قطرہ کو آہستہ آہستہ پرورش کرتے ہوئے چھ فٹ کے جاندار کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔

اگر کوئی انسان اللہ کو صرف دنیا کی حد تک رب سمجھتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے، انسان بہت پیچھے سے آرہا ہے کروڑہا برس پہلے سے آرہا ہے یعنی عالم الست سے آرہا ہے، کئی مراحل سے گذر کر آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مرحلہ میں انسان کی پرورش ونگہداشت کررہا ہے۔

سائنس کی تحقیق یہ کہتی ہے کہ منی کے ایک قطرہ میں ہزاروں جرثومے (کیڑے) ہوتے ہیں سوائے ایک جرثومہ کے بقیہ سب مرجاتے ہیں جو باقی رہتا ہے وہی آہستہ آہستہ پرورش پاکر چھ فٹ کے انسان کی شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

سوچئے کہ ابتداء میں انسان کتنا حقیر، کتنا کمزور اور کتنا معمولی ہوتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اس جرثومہ کی ہر آن ہر گھڑی ہر منٹ اور ہر عمر میں پرورش فرماتا ہے تو وہی کیڑا ایک چھ فٹ کی جسامت کے ساتھ سننے، بولنے، سمجھنے اور دیکھنے اور عقل سے بھرپور نوجوان انسان کی شکل اختیار کرتا ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اس کیڑے کو جس آن جس گھڑی اور جس زمانہ اور جس عمر میں پرورش کے لئے جیسی جیسی ضرورت اور حاجت پڑتی ہے تو ویسی ویسی ہی ضرورت و حاجت کو اللہ تعالیٰ کیسے کیسے ذریعوں سے پورا فرماتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہی کمال ہے کہ وہ پانی کے ادنیٰ قطرہ سے ایک جرثومہ نکال کر خون کا لوتھڑا، ہڈی، گوشت پوست، رونگٹے، پھر اس پر آنکھ، ناک، کان، دل و دماغ، غرض سارے انسانی اعضاء بناتا ہے، ماں کے پیٹ میں نو مہینے تک جیسی جیسی ضرورتیں پیش آتی ہیں، ان کو وہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پورا کرکے پرورش کرتا رہتا ہے، بچہ کے لئے ماں کا پیٹ بالکل اندھیری کوٹھری کی مانند ہوتا ہے جہاں وہ نہ ہاتھ ہلاسکتا ہے اور نہ پیر مارسکتا ہے اور نہ منہ، زبان یا آنکھوں کو حرکت دے سکتا ہے صرف ایک گولے کی طرح سکڑا ہوا پانی میں پڑا رہتا ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ بچہ کی پرورش کے لئے منہ کے بجائے ناف کے راستہ سے ماں کے خون کو غذا کی شکل میں پہنچاتا ہے اور باقاعدہ پیٹ سے باہر آنے تک گردش کے نظام کے ذریعہ بچہ کی حفاظت کرتا ہے۔

پھر یہ جرثومہ نو مہینے تک پیٹ میں پرورش پاکر چھ، سات پونڈ کا بچہ بن کر جیسے ہی ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس کی غذا کے لئے اللہ تعالیٰ فوراً ماں کے پستان سے دودھ جاری کردیتا ہے، اسی طرح جانداروں میں تمام جانوروں کے بچے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں جیسے ہی باہر آتے ہیں ابھی ان کی آنکھیں بھی نہیں کھلتیں وہ خود بخود ماں کے سینہ کی طرف جاتے اور پستان منہ میں لیکر زور زور سے چوسنا شروع کردیتے ہیں، آخر ان بچوں کو کون ہدایت دیتا ہے کہ پستان منہ میں لیکر چوسنا چاہئے، یہ دراصل اللہ ہی کی ربوبیت کا نظام ہے جو بچوں کے اندر یہ الہام کردیتا ہے۔

اب وہ غذا جو دودھ کی شکل میں ماں کے سینہ سے جاری ہوتی ہے اس پر ذرا غور کیجئے کہ بچہ کو اس حال اور اس عمر میں جس قسم کے دودھ کی ضرورت ہوتی ہے ویسا ہی دودھ ماں کے سینہ سے جاری فرما دیتا ہے، بچہ کو نہ دانت ہوتے ہیں اور نہ وہ روٹی چاول اور ترکاری کھانے کے قابل ہوتا ہے چونکہ بچہ کا معدہ انتہائی کمزور ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ دودھ کی نوعیت اور مزاج میں اس کے معدہ کی حالت کا پورا پورا لحاظ رکھتا ہے اور اس کو ویسی ہی ہلکی اور پتلی غذا یعنی دودھ عنایت فرماتا ہے۔

بچہ کا معدہ ہلکے قوام کا (جلد ہضم ہونے والا) دودھ قبول کرسکتا ہے چنانچہ صرف انسانوں ہی میں نہیں بلکہ جانوروں میں بھی ماں کا دودھ ابتدائی زمانہ میں بہت ہی پتلے قوام کا ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے بچہ کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور معدہ قومی ہوتا جاتا ہے، دودھ کا قوام بھی بدلتا جاتا ہے یہاں تک کہ بچہ کے معدہ میں جب عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بچہ کے منہ میں پہلے مسوڑھوں کو سخت کرتا ہے پھر دانت نکالتا ہے اور ماں کے دودھ کو خشک کر دیتا ہے، یہ گویا ربوبیت الٰہی کی طرف سے اشارہ ہوتا ہے کہ اب بچہ کے لئے دودھ کی ضرورت باقی نہیں رہی بلکہ وہ ہر طرح کی غذائیں کھا سکتا ہے۔

غور کیجئے کہ یہ جرثومہ بچہ کی شکل میں جب دنیا میں آتا ہے تو نہ کچھ سن سکتا ہے اور نہ کچھ بات کرسکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کچھ سمجھ سکتا ہے اور مگر اس کے باوجود پیدا ہوتے ہی ہونٹوں کو حرکت دیتے ہوئے پستان کو منہ میں لے کر چوسنے کی ہدایت کس نے دی؟ یہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا نظام ربوبیت ہے کہ بچہ بغیر ظاہری تربیت کے دودھ چوسنا سیکھ جاتا ہے ورنہ پہلے سے بچہ کو قطعی یہ بات ہی نہیں معلوم کہ دنیا میں جاتے ہی بھوک کے لئے رونا اور غذا حاصل کرنے کے لئے ماں کا پستان منہ میں لے کر چوسنا ہوگا مزید نظام ربوبیت دیکھئے کہ جیسے ہی جسم بڑھنے لگتا ہے ، دودھ سے بھوک کا مٹنا مشکل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ دودھ کم کرتے ہوئے دانتوں کو ظاہر فرماتا ہے تاکہ بچہ ہر غذا کو کھانے کے قابل بن جائے، پھر اللہ تعالیٰ اس بچہ کو چلنا سکھاتے ہیں، زبان میں کلام کرنے کی طاقت دیتے ہیں، اس میں بچپن اور لڑکپن دور ہو کر سنجیدگی پیدا ہوتی ہے اور وہ بچپن کے زمانہ سے گذر کر جوانی میں داخل ہوتا ہے، پھر بہترین صلاحیتوں کا مالک اس کو بناتے ہیں، وہ ڈاکٹر، انجینئر، سائنسداں اور استاد بنتا ہے، لوگوں کو عقل وفہم دیتا ہے، روزی کماتا

ہے، شادی بیاہ کر کے اہل وعیال والا بنتا ہے، اچھے اور برے اعمال کرتا ہوا بڑھاپے میں داخل ہوکر اس دنیا سے گذر جاتا ہے اور اس کے بعد اس کی یا تو جنت والی زندگی یا دوزخ والی زندگی شروع ہوجاتی ہے، اس ایک انسان سے جو بھی اولاد ہوتی ہے پھر اس سے نسل انسانی بڑھتی ہی رہتی ہے، اسی طرح حیوانات بھی مختلف مدارج سے گذر کر دنیا سے چلے جاتے ہیں اور اپنی نسل چھوڑ جاتے ہیں اور ان کی نسل سے نسل در نسل افزائش ہوتی ہی رہتی ہے، درختوں کا بھی یہی حال ہے، ایک درخت پہلے مولکا (انکُوا) ہوتا ہے پھر پودا بنتا ہے پھر درخت کی شکل اختیار کر کے پھول پھل دیتا، اس سے ہزاروں بیج نکلتے ہیں اور ان بیجوں سے باغوں کے باغ آباد ہوجاتے ہیں۔

اب یہاں رب کے معنی کو ذہن میں لائیے کہ رب کا معنی ہے پالنے اور پرورش کرنے والا جو کسی شئی کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس کی پرورش کی چیزوں کو مہیا کرتا رہے تا کہ وہ اپنی حد کمال تک پہنچ جائے۔ اس تشریح سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بچہ کی مختلف حالتوں میں اس کی ضرورتوں کو آہستہ آہستہ کیسے پوری کر رہا ہے۔

ربوبیت کے لئے محبت کی سخت ضرورت ہے

ربوبیت کے لئے محبت اور شفقت کا ہونا نہایت ضروری ہے اس لئے وہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ کے دلوں میں سب سے پہلے بچہ کی محبت پیدا کر دیتا ہے گویا یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جو ماں باپ کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے۔ ''الحمد لله''

اللہ تعالیٰ ماں کی فطرت میں پرورش کی محبت کا جوش خوب پیدا فرما دیتا ہے اور وہ اس محبت کی وجہ سے بچہ کے پیدا ہونے کے دن سے لیکر بالغ ہونے تک ہر حالت کے مطابق پیار محبت اور شفقت کے ساتھ پالتی اور سنبھالتی اور ہر وقت ہر آن، ہر گھڑی نگرانی کرتی اور پرورش کے سامان مہیا کرتی رہتی ہے، چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے بچہ کو ہر حالت اور ہر عمر کے مطابق محبت کا جوش، نگرانی کی نگاہ اور زندگی کا سروسامان ملتا رہتا ہے، مثلاً بچہ کا معدہ دودھ پینے کے قابل ہوتا ہے تو دودھ پلاتی ہے، جب بچہ قوی غذا استعمال کرنے کے قابل ہوجاتا ہے تو آہستہ آہستہ ویسی ہی غذائیں کھلاتی ہے اور جب تک پاؤں پر کھڑے ہونے اور چلنے کی طاقت نہیں رکھتا تو گود میں

اٹھائے لئے پھرتی ہے اور جب کھڑے ہونے کے قابل ہو جاتا ہے تو انگلی پکڑ کر ایک ایک قدم چلاتی ہے غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر حالت اور ہر عمر کے مطابق جیسی جیسی ضرورت ہو ان ضروریات کو مہیا کرتے ہوئے نگرانی اور حفاظت کا ایک مسلسل اور مکمل اہتمام جاری رکھتا ہے اور یہ وہ صورت حال ہے جس سے ربوبیت کے مفہوم کو سمجھا اور تصور کیا جا سکتا ہے۔

ربوبیت الٰہی کے اس نظام پر بھی غور کیجئے کہ بچہ کی پرورش کیلئے جس عمر میں جس قدر محبت کی ضرورت ہوتی ہے اتنی محبت اللہ تعالیٰ ماں باپ میں پیدا فرما دیتا ہے اور باپ سے زیادہ بچہ چونکہ ماں کے قریب رہتا ہے اس لئے باپ کے مقابلہ میں ماں کے دل میں محبت کا جوش زیادہ پیدا کر دیتا ہے پھر آہستہ آہستہ جوں جوں بچہ کی عمر بڑھتی جاتی ہے ماں کی محبت کا یہ مشغلہ دھیما پڑتا جاتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ حیوانات میں تو بالکل بجھ جاتا ہے اور انسانوں میں بھی اس کی گرم جوشیاں باقی نہیں رہتیں محبت میں یہ انقلاب کیوں ہوتا ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی محبت کا ایک زبردست جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ایک خاص مدت تک قائم رہ کر خود بخود غائب ہو جاتا ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی کا نظام ہے اس لئے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ بچہ کی پرورش ہو اور محبت کے ساتھ ہو اس لئے وہ پرورش کی خاطر ماں کے اندر محبت کا جذبہ پیدا فرما دیتا ہے۔

جب بچہ کی عمر اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ ماں کی پرورش کی محتاجی باقی نہیں رہتی تو اس محبت میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے اب اس کا باقی رہنا ماں کے لئے بوجھ اور بچہ کے لئے رکاوٹ ہوتا ہے، بچہ کی محتاجی کا سب سے نازک وقت اس کی پیدائش کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے اس لئے ماں کی محبت میں بھی سب سے زیادہ جوش اسی وقت ہوتا ہے، پھر جوں جوں بچہ بڑھتا جاتا ہے محتاجی کم ہوتی جاتی ہے اس لئے محبت کا جوش بھی کم ہوتا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ نظام ختم نہیں ہوتا بلکہ مسلسل جاری رہتا ہے اور بچے کی عمر جیسی جیسی بڑھتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اس میں سننے، دیکھنے، بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت دیتا رہتا ہے تاکہ اس کی محتاجی ختم ہو جائے اور وہ بڑا ہو کر خود لکھنے پڑھنے اور کمانے کے قابل بن جائے، آہستہ آہستہ عقل اور ضمیر کی طاقت کو پیدا فرما کر اچھے اور برے راستہ کی تمیز اور اپنے مالک کو پہچاننے کی صلاحیت عطا فرماتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انتظام دیکھئے کہ اس نے ہر جنس میں مذکر اور مونث بنائے تا کہ مرد عورت کی ضرورت پوری کرے اور عورت مرد کی ضرورت پوری کرے، پھر یہی جرثومہ جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی پرورش کا انتظام اللہ تعالیٰ اس کے بچوں اور رشتہ داروں کی ذریعہ کرتا رہتا ہے۔

سوتیلی اور سگی ماں کی محبت کا فرق: بچے کی پرورش کے وقت اگر اس کی سوتیلی اور سگی دونوں مائیں زندہ ہوں تو سوتیلی ماں سے زیادہ سگی ماں کو بچے سے محبت' حفاظت ونگرانی کی فکر بے انتہا ہوتی ہے اس کے برعکس سوتیلی ماں کو بچے سے زیادہ خاص لگاؤ نہیں ہوتا یہ دارصل ربوبیت الٰہی کا ہی انتظام ہے کہ وہ جس کے ذریعہ پرورش ونگہداشت کروانا چاہتا ہے اس کے دل میں زیادہ محبت پیدا فرما دیتا ہے

جانوروں میں مادہ کا بچے سے خاص تعلق: جن جانوروں کے جوڑے نہیں ہوتے ان پر غور کیجئے کہ ان میں صرف مادہ کو بچوں سے لگاؤ اور محبت ہوتی ہے اور وہی اکیلی خود بچوں کی نگرانی ، پرورش اور نگہداشت کرتی ہے مگر نر قطعی بچوں سے کوئی لگاؤ ہی نہیں رکھتا مثلاً گائے بھینس بکری مرغی وغیرہ جب ان کو بچے ہوتے ہیں تو ان بچوں سے بکرے، بیل، بھینسے اور مرغ کو کوئی لگاؤ نہیں ہوتا اور نہ وہ بچوں کی پرورش ونگہداشت کی فکر کرتے ہیں۔ دراصل ربوبیت الٰہی کا ہی انتظام ہے کہ وہ ان جانوروں میں جوڑا نہ ہونے کی وجہ سے، جس سے پرورش ونگہداشت کا کام لینا چاہتا ہے اس کے ذریعہ بچوں کی حفاظت ونگرانی کروا کر ربوبیت کرتا ہے۔

ہواؤں کے ذریعہ پرورش کا انتظام

اسی طرح تمام جانداروں کو زندہ رہنے کے لئے ہوا کی اشد ضرورت ہے جب تک جسم میں روح رہے تب تک ہر لمحہ ہر گھڑی ہر وقت ہر عمر میں بند سے بند اور کھلے سے کھلے مقام پر ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی پرورش کی خاطر اس کو اتنا زیادہ عام کر دیا ہے کہ یہ ہر جگہ ہر مقام پر ہر مخلوق کو بغیر کسی تکلیف کے ملتی رہتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور کمال ہے کہ اس نے ہوا کو پانی کی طرح گاڑھا یا کسی دوسری چیز کی طرح ٹھوس نہیں بنایا ہے کہ وہ جانداروں کی ناک میں مشکل سے جا سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا لطیف اور ہلکا بنایا کہ کسی تکلیف کے بغیر

سانس اندر باہر آتی جاتی رہے، اگر پانی کی طرح گاڑھی وزنی اور جسم دار ہوتی تو ہم کو سانس لینا مشکل ہو جاتا یا سانس چھوڑتے وقت ہوا کو گاڑھا بنا دیا جاتا تو سوچئے کہ اندر سے باہر نکلنا ہی مشکل رہتا ہے اس کو تو اللہ نے اتنا ہلکا اور لطیف بنایا ہے جیسے کہ اس کی کوئی جسامت اور موٹائی ہی نہیں اور نہ کسی کو اس کی جسامت کا احساس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم بغیر کسی تکلیف کے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے سانس لیتے رہتے ہیں اور اس کا ہم پر کوئی وزن ہی نہیں پڑتا ورنہ ہم دب کر مر جاتے، اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اس کا ہر کام حکمت سے بھرا ہوتا ہے، جاندروں کو پانی اور غذا نہ بھی ملے مگر ہوا ملتی رہے تو وہ کچھ گھنٹے ضرور زندہ رہ سکتے ہیں اس لئے ہوا جانداروں کی زندگی کا بہت اہم جزو ہے بغیر ہوا کے کسی جاندار کی زندگی دنیا میں باقی نہیں رہ سکتی، جاندار جب ہوا استعمال کر کے خراب کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس ہوا کو درختوں کے ذریعہ پھر صاف اور تازہ بنا دیتے ہیں، ہوا ہر جاندار کو بغیر کسی رکاوٹ کے ہر جگہ ہر گھڑی ہر لمحہ دستیاب رہتی ہے اگر یہ انسانوں کے کنٹرول میں دیدی جاتی تو پھر انسان کی زندگی عذاب بن جاتی اور ہر ملک اپنے دشمن ملک کے لوگوں کے لئے ہوا بند کر دیتا، جس طرح موجودہ زمانہ میں مختلف زمین کے حصوں کی آکسیجن جلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا کیسا زبردست انتظام ہے۔

پانی کی تقسیم پر غور کرنے سے اللہ کی ربوبیت آسانی سے سمجھ میں آتی ہے

ہوا کے بعد جانداروں کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ پانی ہے یعنی پانی جانداروں کے لئے ہوا کے بعد ضروری ہے اگر جانداروں کو غذا نہ بھی ملے ہوا اور پانی ملتا رہے تو وہ کچھ دنوں تک تو زندہ رہ سکتے ہیں، پانی کے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتے اسلئے اللہ نے اپنے نظام ربوبیت کے ذریعہ یہ انتظام کیا کہ ہوا سے کم مگر غذا سے زیادہ پانی کو پیدا فرمایا اور ہر جگہ ہر جاندار کو اس کے ملنے کی آسان شکلیں بنا دیں، اللہ تعالیٰ کا کمال دیکھئے کہ وہ پانی کو سمندروں میں کھارا بنا کر سڑنے سے بچاتا ہے، پانی میں ہمیشہ بہنے اور ہلتے رہنے کی صلاحیت بھی رکھی ہے جس کی وجہ سے جاندار جب پانی کو استعمال کر کے خراب کر دیتا ہے تو یہ پانی حرکت کرتا ہوا بہتا ہے اور پاک و صاف بن جاتا ہے، اگر پانی میں حرکت نہ ہو تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور جانداروں کا

اسے پینا مشکل ہو جاتا ہے۔

اگر انسان صرف پانی کی تقسیم کے طریقہ کار پر غور کرے گا تو اللہ کی ربوبیت کو آسانی سے سمجھ جائے گا، اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق ہونے کے پانی صرف بناتا ہی نہیں بلکہ اپنی صفت ربوبیت کے تحت خاص ترتیب اور مناسبت کے ساتھ تقسیم بھی کرتا ہے، پانی کو انسانوں کے قبضہ میں نہیں دیا گیا، اسی طرح اس کو زمین کے کسی ایک خطہ میں نہیں رکھا گیا، اگر اللہ تعالیٰ پانی کو زمین کے کسی ایک خطہ میں رکھ دیتا تو غور کیجئے کہ انسان اس پانی کو اپنے گھر لانے کے لئے کتنی سخت تکلیف، مصیبت اور پریشانی اٹھاتا اور اس پانی کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری دولت لگا دیتا اور اس کی کمائی صرف پانی کو حاصل کرنے اور خریدنے ہی میں ختم ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت پر غور کیجئے تو الحمد للہ دل کی گہرائیوں سے نکلے گا، وہ آسمان سے پانی کو برسا کر اپنے ہر بندہ کے گھر تک پہنچاتا ہے اور سمندروں میں محفوظ رکھ کر زمین میں جھرے بنا دئے ہیں جس سے انسان اپنے گھر ہی میں بورویل ڈال کر حاصل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ برسات کے ذریعہ برسا کر پہاڑوں پر برف کی شکل میں جمع رکھ کر ندی، نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ انسانوں کی کھیتی اور زمین تک پہنچاتا ہے۔ سوچئے اور غور کیجئے کہ یہ اللہ کی ربوبیت کا کیسا زبردست انتظام ہے کہ وہ ہر مخلوق کی ہر ضرورت کو کتنے اہتمام اور فیاضی سے پورا کرتا ہے۔ الحمد للّٰہ۔

جانوروں کی زندگیوں پر غور کر کے ربوبیت الٰہی کو سمجھئے

حیوانات اگر چہ انسان کے جیسے دماغ سے محروم ہوتے ہیں جسے عقل، سمجھ اور فکر سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام ربوبیت کے ذریعہ ان کو ہر گھڑی ہر آن اور ہر عمر میں احساس اور پہچان کی وہ تمام قوتیں دیدی ہیں جن کی ربوبیت کیلئے ضرورت تھی اور ان کی مدد سے وہ اپنے اپنے رہنے سہنے، تولد و تناسل اور حفاظت و نگرانی کے تمام امور بحسن و خوبی انجام دیتے رہتے ہیں۔

بلی جب پہلی بار حاملہ ہوتی ہے اور اس کو بچے پیدا کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت کے ذریعہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حفاظت اور تیاری کی فکر شروع کر دینی چاہئے، چنانچہ جیسے ہی بچے پیدا ہونے کے دن قریب آتے ہیں خود بخود اس کی توجہ ہر

چیز سے ہٹ جاتی اور وہ کسی محفوظ مقام کو تلاش کر کے رکھ لیتی ہے اور وہاں بچے دیتی ہے، پھر یکا یک اس کے اندر بچوں کی حفاظت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ ہر روز ان کی جگہ بدلتی رہتی ہے، ذرا غور کیجئے کہ یہ کونسی ہدایت ہے جو بلی کے اندر بچوں کو جگہ بدل بدل کر رکھنے کا خیال پیدا کرتی ہے کہ محفوظ جگہ ہو اور بلا بچوں کا دشمن ان کی بو سونگھتا ہوا پھر رہا ہے، بلا شبہ یہ ربوبیت الٰہی کا الہام وہدایت ہے جس کا وجدان ہر مخلوق کو ہر عمر اور ہر گھڑی ہوتا رہتا ہے۔

جنگلی کتوں پر غور کیجئے جو جنگل میں غول کے غول نکلتے ہیں اور شکار کر کے گوشت اپنے معدے میں محفوظ رکھتے ہیں اور پھر بچوں کے پاس آ کر گوشت کے لوتھڑے قئے کر دیتے ہیں تا کہ ان کے بچے جو ابھی شکار نہیں کر سکتے وہ بھی پیٹ بھر لیں، آخر یہ کس کی پرورش کا نظام ہے، کون انہیں اس انداز پر ہدایت دیتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و پرورش کا انتظام ہے، اسی طرح کبوتر دانہ کھا کر اور پانی پی کر اپنے بچوں کے پاس آتے ہیں اور دانے کو اپنے پوٹے میں نرم کر کے بچوں کی چونچ اپنے منہ میں لیکر اپنے پوٹے کا دانہ ان کے پوٹے میں منتقل کرتے ہیں اور دن بھر میں وقفہ وقفہ سے ان کا یہ عمل اپنے بچوں کے ساتھ جاری رہتا ہے، ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے کبوتر کو ہدایت دے رکھی ہے اور وہ کس طرح پرورش کر رہا ہے، اسی طرح شیر، ببر، چیتا اپنے بچوں کیلئے شکار کیا ہوا جانور منہ میں پکڑ کر لاتے اور بچوں کے سامنے ڈال دیتے ہیں اس لئے کہ انہیں یہ بات معلوم رہتی ہے کہ ان کے بچے ابھی شکار کرنے کے قابل نہیں ہیں، تمام پرندے بھی اپنے اپنے بچوں کیلئے پنجوں یا چونچ میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو پکڑ کر لیجاتے اور گھونسلے میں انہیں کھلاتے اور بار بار کھلاتے ہیں جس چڑیا کے چار پانچ بچے گھونسلے میں ہوں وہ انہیں باری باری سے ہر ایک کو کھلاتی ہے۔

پھر حواس اور پہچان کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لئے ایک ہی طرح کی نہیں ہے بلکہ ہر مخلوق کو اتنی ہی اور ویسی ہی طاقت اور صلاحیت دی گئی ہے جتنی استعداد ان کے لئے ضروری تھی، مثلاً چیونٹی اور بلی کی قوت شامہ (سونگھنا) بھی نہایت دور رس ہوتی ہے اس لئے وہ دور کی چیزوں کو بھی محسوس کر لیتی ہیں، گھوڑے کی قوت شامہ انتہائی دور رس ہوتی ہے چنانچہ وہ اسی قوت شامہ کے ذریعہ میلوں پہلے پہچان لیتا ہے کہ جنگل کے اس راستہ میں کہیں شیر ببر تو نہیں، چنانچہ جیسے ہی اس کو درندوں کی بو محسوس ہوتی ہے وہ میلوں پہلے ہی رک جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا،

ربوبیت کی تفصیل جاننے کیلئے ہماری کتاب ''تعلیم الایمان: صفات الٰہی، خالق رب حاکم وقادر'' پڑھئے۔

اسی لئے پہلے زمانہ میں لوگ جنگلوں کا سفر گھوڑوں پر کیا کرتے تھے۔

کوّا، چیل اور شِکرا کی نگاہ تیز ہوتی ہے، اگر ان کی نگاہ تیز نہ ہوتی تو انتہائی بلندی پر اڑتے ہوئے اپنا شکار دیکھ نہیں سکتے، ہرن کا بچہ پیدا ہوتے ہی گھنٹے آدھے گھنٹے میں ماں کی رفتار سے بھاگ سکتا ہے اگر بھاگنے کی صلاحیت پیدا نہ ہوتو شیر کے حملہ سے وہ کیسے بچے گا؟

کتے میں اپنے اور غیر کی خوب تمیز ہوتی ہے، مالک آتا ہے تو دم ہلا ہلا کر خوش ہوتا ہے، روٹی دیجئے قریب آئے گا، پتھر اٹھایئے مار کے ڈر سے بھاگ جائے گا، بلی کو یہ بات معلوم ہے کہ کتا اس کا دشمن ہے، چوہے کو یہ معلوم ہے کہ بلی اس کی دشمن ہے چنانچہ بلی کتے کو دیکھتے ہی بھاگتی ہے اور جہاں بلی کی آواز آتی ہے وہاں چوہا نہیں جاتا، بلی جب بول و براز کرتی ہے تو پہلے گڈھا کھودتی ہے پھر فارغ ہونے کے بعد مٹی سے ڈھانک دیتی ہے، شیر کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کی غذا گھاس نہیں گوشت ہے اور گائے، بھینس کو یہ معلوم ہے کہ ان کی غذا گوشت نہیں گھاس ہے، گدھے کو معلوم ہے کہ اپنا دفاع پیر سے کرنا ہے اس لئے وہ لات مارتا ہے، غور کیجئے کہ ان جانوروں میں حواس اور پہچان، حفاظت ونگرانی کی یہ ہدایات کہاں سے ملیں؟ کون ہے جو ان کو زندگی بسر کرنے کے سارے طریقے سکھا رہا ہے؟ یہ دراصل ربوبیت الٰہی کا نظام ہے جو ان کی فطرت میں الہام کرتا رہتا ہے اس لئے کہ اللہ ہر مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔

جانوروں میں انسانی خدمت کا جذبہ

اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے جانور پیدا کئے مگر وہ سب کے سب نہ انسانوں کے قریب آتے اور نہ ان کی خدمت کرتے ہیں مثلاً شیر، ریچھ، ہرن، گینڈہ، چیتا وغیرہ ان کے برعکس ہاتھی، اونٹ، گھوڑا گدھا، زیبرا، بیل وغیرہ انسان کے قریب آتے سواری وحمل ونقل میں باقاعدہ مدد بھی کرتے ہیں آخر ان کو یہ سمجھ کس نے دی کہ وہ انسان کے قریب آئیں اور سر جھکا کر کھڑے ہوجائیں تاکہ انسان ان پر اپنا سامان لادے یا سواری کرے یا کھیت میں ہل جوتے اسی طرح بعض جانور انسانوں کو خاموشی کے ساتھ دودھ دوہنے اور بعض انڈے لینے دیتے ہیں یہ دراصل ربوبیت الٰہی کا ہی نظام ہے جو ان میں انسانوں کی پرورش کے لئے اللہ نے یہ جذبہ پیدا فرما رکھا ہے۔

انڈوں سے پیدا ہونے والے حیوانات پر غور کر کے ربوبیت الٰہی کو سمجھئے

جو پرندے انڈے دیتے ہیں ان کو یہ بات کیسے معلوم ہوتی ہے کہ ان کے بچے انڈوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ بہت سے پرندے انڈے دینے کے زمانہ میں ایک محفوظ مقام پر گھونسلہ بناتے ہیں، بیا نام کی چڑیا تو ایسا گھونسلہ بناتی ہے جو بہت ہی محفوظ اور مضبوط ہوتا ہے اور ہر قسم کے خطرات اور پانی سے محفوظ رہتا ہے، غور کیجئے کہ ربوبیت الٰہی کی کیسی ہدایت ہے جس سے پرندوں کو انڈے دینے سے پہلے گھونسلہ بنانے کی صلاحیت وشعور ہو جاتا ہے، پھر پرندے انڈے دینے کے بعد انتہائی احتیاط کے ساتھ ان انڈوں پر بیٹھتے ہیں، آخر ان کو یہ کس نے تعلیم دی کہ ان انڈوں پر وقفہ وقفہ سے نر اور مادہ بیٹھتے رہیں اور ان کو گردش دیتے ہوئے گرم رکھیں، مادہ جیسے ہی انڈوں پر سے اٹھتی ہے، نر بیٹھتا ہے اور نر جیسے ہی اٹھتا ہے، مادہ بیٹھ جاتی ہے، اس پروگرام کی ان کو کس نے تربیت دی؟ وہ مسلسل اکیس دن تک ان انڈوں پر بیٹھتے ہیں اور ان کو گردش دیتے رہتے ہیں، پھر اکیس دن کے بعد بچے انڈوں سے باہر نکلتے ہیں۔ سوچئے کہ ہر پرندہ جب وہ پہلی مرتبہ انڈے دینے کے قابل بنتا ہے تو اس کو کوئی پچھلا تجربہ نہیں ہوتا مگر اللہ کے نظام ربوبیت کی طرف سے یہ سارا انتظام کرایا جاتا ہے اور پرندے کو وجدانی طور پر الہام ہوتا رہتا ہے، اب یہاں رب کی تعریف ذہن میں لائیے کہ ہر مخلوق کی ہر ضرورت اور حاجت کو ہر گھڑی ہر آن اور ہر عمر میں محبت وشفقت کے ساتھ پورا کرنے والا ہی رب ہوتا ہے، دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ ان پرندوں کی ضرورتوں کو کیسے پورا فرما رہا ہے۔

آگے غور کیجئے کہ وہ انڈا جس میں اندر بچہ تیار ہوتا ہے اس انڈے میں باہر سے اندر جانے کے لئے نہ کوئی راستہ ہوتا ہے اور نہ کوئی باریک سوراخ، اس کے باوجود بند انڈے میں تین جھلّیوں کے اندر اللہ تعالیٰ چونچ کی جگہ چونچ، پر کی جگہ پر، آنکھوں کی جگہ آنکھیں اور پیر کی جگہ پیر بناتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کمال ہی کمال ہے الحمدللہ۔ پھر آگے غور کیجئے کہ اکیس دن تک بچہ کو انڈے کے اندر زندہ رکھنے کے لئے ہوا، پانی اور غذا کہاں سے بھیجتا ہے جب کہ انسان کے پیٹ میں بچہ کا تعلق ماں کی رگوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر انڈے کا تعلق پرندے سے بالکل نہیں ہوتا، پرندہ صرف اس پر بیٹھتا ہے، باہر سے کوئی چیز انڈے کے اندر بچہ کو پہنچا نہیں سکتا، ظاہر ہے یہ تو صرف اللہ کی ربوبیت ہی کا ایک کرشمہ ہے کہ بند انڈے میں بچہ کو زندہ رکھ کر پرورش کرتا ہے۔

پھر بچہ انڈے سے جیسے ہی باہر آتا ہے وہ پہلے ہی دن سے معمول کی غذائیں کھانا شروع کر دیتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں بچہ انڈے سے نکلتے ہی غذا ڈھونڈنے لگتا ہے اور ماں چن چن کر اس کے سامنے ڈالتی اور منہ میں لے لے کر کھانے کی تلقین کرتی ہے یا ایسا بھی کرتی ہے کہ خود کھا لیتی ہے مگر ہضم نہیں کرتی اپنے منہ میں نرم اور ہلکا بنا کر محفوظ رکھتی ہے جب بچہ غذا کے لئے منہ کھولتا ہے تو اسکی چونچ میں ڈالدیتی ہے یہ عمل نر اور مادہ دونوں کرتے ہیں، پرندوں کے بچے جب بیٹ کرتے ہیں تو گھونسلہ میں نہیں کرتے بلکہ گھونسلہ کی طرف رخ کر کے باہر بیٹ کرتے ہیں، ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے تربیت کرتا ہے۔

پھر جب بچوں کو پر آجاتے ہیں اور ماں باپ کو جب تک پورا اعتماد نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ بچوں کو گھونسلہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے، برابر حفاظت کئے جاتے ہیں پھر پر آنے کے بعد ان کو ماں باپ اپنی اپنی نگرانی میں اڑنا اور شکار کرنا سکھاتے ہیں، غور کیجئے کہ پرندوں کی ظاہری طور پر کوئی تربیت نہیں ہو رہی ہے مگر اللہ کے نظام ربوبیت کے ذریعہ ہر مخلوق کو اس کی ہر عمر اور ہر گھڑی میں ہر ضرورت وحاجت کو کیسے پورا کیا جا رہا ہے؟

آپ ہر روز صبح اور شام آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھئے تمام اقسام کے پرندے ٹکڑیوں کی شکل میں اپنے اپنے گروپ کے ساتھ ایک ہی رفتار اور ایک ہی انداز پر تیزی کے ساتھ جاتے اور آتے ہوئے نظر آئیں گے، ان کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوگا کہ فوج کی ٹکڑیاں ہیں جو الگ الگ رنگوں کے لباس میں گذر رہی ہیں اور کسی نے ان کو اڑنے کی ایسی تربیت دی ہے کہ ہر ٹکڑی کے گذرنے کا انداز اور رفتار الگ الگ ہے اور ایک ٹکڑی میں جتنے بھی پرندے ہوں گے ان کے پر ایک ساتھ اٹھیں گے جیسے کسی فوج میں پریڈ کے وقت فوجیوں کے ہاتھ اور پیر ایک ساتھ اٹھتے رہتے ہیں، ان کی صف بندی کو دیکھ کر حیرت ہوگی جیسے کسی نے ان کو باقاعدہ تربیت دی ہے، دنیا کی فوج کو تو برسہا برس تربیت دینی پڑتی ہے مگر اللہ کی اس فوج کی تربیت دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مزاج اور فطرت میں کیسی صلاحیت رکھی ہے، پرندوں کی یہ منظّم خوش رفتاری ربوبیت الٰہی کا ادنی نمونہ ہے۔

اسی طرح نباتات پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہر آن ہر گھڑی ہر قسم کے پودے اور ہر قسم کے درخت کی ہر ضرورت کو اپنے نظام ربوبیت کے ذریعہ پورا فرما رہا ہے اس لئے کہ وہ صرف انسانوں

اور حیوانوں ہی کا رب نہیں بلکہ پوری کائنات کا رب ہے اور وہ ہر روز لاکھوں، کروڑں درختوں اور پودوں کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہوئے ان کو زمین پر ہرا بھرا رکھتا ہے، سوچئے ایک درخت جو بیج کی شکل میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے کمال سے کس طرح نشو ونما پاتا ہوا درخت بنتا ہے، کسان تو بیج کو زمین میں پھینک آتا ہے مگر اس بیج کو وقت پر گرمی، وقت پر مناسب پانی اور ہوا کون پہنچاتا ہے؟ اگر بیج سڑ جائے یا گرمی ضرورت سے زیادہ تیز ہو جائے تو کوئی ایک پودا بھی زمین پر نہیں اُگ سکے گا۔

مخصوص پھلوں اور پھولوں کا مخصوص موسموں میں پیدا ہونا

بعض مخصوص قسم کے پھل اور پھول جن کی سال بھر ضرورت نہیں ہوتی مخصوص موسموں میں دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً موتیا کا پھول، انگور، سنترہ، تربوز، انناس وغیرہ یہ وہ پھل اور پھول ہیں جو خاص طور پر موسم گرما ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ غور کیجئے کہ یہ انتظام ٹھنڈے پھلوں اور خوشبودار پھولوں کا موسم گرما کی مناسبت سے کون کر رہا ہے؟ دراصل ربوبیت الٰہی کا راز ہے جو انسانوں اور دوسری مخلوقات کے لئے ایسا مخصوص انتظام کرواتا ہے۔

نظام ربوبیت کی وجہ سے وحی ورسالت کی ضرورت

اللہ نے انسانوں کو دو چیزیں عطا فرمائیں ایک جسم، دوسری روح۔ جسم کی پرورش کے لئے زمین سے نکلنے والی غذاؤں کو ذریعہ بنایا اور جس طرح جسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں اسی طرح روح کی بھی ضرورتیں ہوتی ہیں اور جس طرح اللہ نے جسم کی پرورش کے لئے سب کچھ پیدا فرمایا اسی طرح روح کے نشو ونما اور اس کی پرورش کا بھی انتظام فرمایا جیسے جسم کو پالنے کے لئے زمین سے نکلنے والی غذائیں ہیں اسی طرح روح کو پالنے کا ذریعہ آسمان سے اترنے والی وحی الٰہی کو قرار دیا جس کی آخری شکل قرآن مجید ہے۔

دنیا میں مختلف ایجادات بھی ربوبیت الٰہی کا ہی مظہر ہیں

اسی طرح ہر زمانے اور ہر دور کی مختلف چیزوں کی ایجادات پر بھی غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام ایجادات بھی ربوبیت الٰہی کا ہی مظہر ہیں جو ہر زمانہ اور ہر وقت کی ضرورتوں کی وجہ سے ظاہر ہوتی گئیں اور ظاہر ہو رہی ہیں، پچھلے زمانوں میں انسانوں کی آبادیاں بہت کم تھیں اور جیسے

جیسے ان کی آبادیاں بڑھتی گئیں اور مختلف ضرورتوں میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے اللہ تعالیٰ مختلف دنیوی چیزوں کی ایجادات مختلف انسانوں سے کروا کر انسانوں کی پرورش کا انتظام کرتا گیا آج بھی لوگوں کو دنیوی زندگی کی پرورش کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی جارہی ہے وہ تمام چیزیں ہر زمانے اور ہر دور میں مہیا کرتا جارہا ہے تا کہ انسان سہولت کے ساتھ زندگی گذار سکے مثلاً پچھلے زمانے میں ہر شہر اور گاؤں کا رقبہ مختصر اور آبادی تھوڑی ہوا کرتی تھی اور لوگ مغرب کے ساتھ ہی آگ جلا کر یا لالٹین یا دِیا سلگا کر اپنی رات کی ضرورت کو پورا کر لیتے تھے۔ سرِ شام راستے سنسان اور کاروبار بند کر دیئے جاتے تھے لوگ عام طور پر سفر پیدل یا بیل گاڑی یا گھوڑا یا گدھا او راونٹ وغیرہ ہی پر کیا کرتے تھے اکثر شہر تو بس قلعہ نما ہوتے اور پوری آبادی اور ان کی ضروریات قلعہ ہی کے اندر موجود رہتی تھیں مگر بعد کے زمانوں میں شہروں کے رقبے بڑھنے اور آبادیاں پھیلنے لگیں اور لوگ دور دور تک آباد ہونے لگے تو لوگوں کو اپنی مختلف ضرورتوں کے لئے ہر روز ایک مقام سے دوسرے مقام کو سفر کرنے، کاروبار اور تجارت کرنے، نوکری کرنے، حکومتوں کے مختلف محکموں کو اپنے اپنے انتظامات کرنے کی رات دن ضرورت پڑنے لگی تو ہر زمانے کے سائنس دانوں کے ذریعہ اللہ نے مختلف چیزیں ایجاد کروائیں کبھی تیز رفتار سواریاں ریل گاڑی، بحری جہاز وغیرہ دریافت کی گئیں کبھی پٹرول کے چشمے دریافت کر کے موٹر گاڑیاں اور موٹر سیکلس او رہوائی جہاز اور راکٹ تیار کئے گئے اور کبھی ٹیلفون ریڈیو اور ٹی وی دریافت کیا۔

اسی طرح دنیا کی جوں جوں آبادی بڑھتی گئی طرح طرح کی صنعتیں عام ہوتی گئیں انسانوں کی زندگی کا دارومدار زیادہ تر صنعت پر قائم ہوا اور ہر طرف بڑی بڑی فیکٹریاں مشینیں اور ادارے قائم ہوئے۔ راتوں کے سفر میں تکالیف دور کرنے اور تیز رفتار سواریوں کے ذریعہ بڑے بڑے فاصلے راتوں رات طے کرنے کے لئے اور میلوں زمین کو سیراب کرنے کے لئے پانی کے موٹروں کو چلانے کے واسطے بجلی کی سخت ضرورت پڑنے لگی تو سائنسدانوں نے بجلی ایجاد کی اور آج بجلی انسانوں کو زندگی گذارنے میں بہت بڑا رول ادا کر رہی ہے۔

آپ ذرا غور کیجئے کہ سائنس کا علم کوئی نیا نہیں۔ اس سے ہرگز مرعوب مت ہوئیے آج سے تین چار سو سال پہلے یہ علم یونان اور روم میں انتہائی ترقی کر چکا تھا۔ سقراط، افلاطون، ارسطو طالیس

بقراط وغیرہ بڑے بڑے حکماء اور فلسفی اور سائنسداں گذر چکے تھے آج بھی ان کی حکمت ان کا فلسفہ اور ان کی سائنس دنیا میں موجود ہے اور موجودہ سائنسداں انجینئر اور ڈاکٹر انکی حکمتوں اور ٹکنالوجی سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ان ہی کی دی ہوئی بنیاد پر نت نئی ترقی اور سہولت کی راہیں تلاش کر رہے ہیں چنانچہ علم حساب، علم سائنس و آکسیجن ہائیڈروجن وغیرہ علم فلسفہ، علم حکمت یہ سب پچھلے زمانے کے قابل ترین لوگوں کی ہی ایجادات ہیں نہ کہ موجودہ زمانے کی ایجاد۔

سوچئے کہ پچھلے زمانہ کے سائنسدانوں نے نہ بجلی ایجاد کی نہ کمپیوٹر ایجاد کیا اور نہ ریڈیو، ٹی وی ایجاد کیا اور نہ ٹیلی فون ایجاد کیا اور نہ پٹرول دریافت کیا اور نہ ہوائی جہاز اور راکٹ اور موٹر گاڑیاں ایجاد کیں اور نہ ٹیپ ریکارڈ اور مائیکروفون ایجاد کیا، کیا ان کے پاس دماغ چھوٹا تھا یا عقل کم تھی یا علم محدود تھا؟ اگر علم محدود تھا تو انہوں نے علم حساب، علم سائنس، علم فلسفہ، علم حکمت کیسے دریافت کیا؟ نہیں بلکہ سب کچھ موجود تھا پھر آخر انہوں نے یہ سب چیزیں کیوں ایجاد نہیں کیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں کو جیسی جیسی چیزوں کی ضرورت جس جس زمانہ اور وقت میں محسوس ہوتی گئی اللہ تعالیٰ انسانوں کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے ان چیزوں کو پردۂ غیب سے اس اس زمانہ کے سائنسدانوں، ڈاکٹروں اور انجینئروں کے ذریعہ ظاہر فرماتا گیا اور آج بھی انسانوں کی ضرورتوں کے مطابق زمانہ کے سائنسدانوں اور ماہرفن کو ویسا ویسا علم اور صلاحیت عطا فرما کر انسانوں کی ضروریات کو پورا فرما رہا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانہ میں بیل گاڑی، گھوڑا گاڑی، زمین کو ہل سے جوتنے، چراغ سے روشنی پیدا کرنے، پتوں، ہڈیوں اور پتھروں پر لکھنے پڑھنے کی صلاحیت دی پھر کسی زمانہ میں بھاپ سے ریل گاڑیوں کو چلانے اور ہزاروں ایکڑ زمین کو ٹریکٹر سے جوتنے، کاغذ پر لکھنے پڑھنے اور تلوار کی جگہ بندوق استعمال کرنے، ریڈیو، ٹیلی فون، میکروفون ایجاد کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی اور آج کے دور کے سائنسدانوں کو ہوائی جہاز، راکٹ، ٹی وی، ٹیپ ریکارڈ، بجلی، نیوکلیر اسلحہ وغیرہ ایجاد کرنے کا ذریعہ بنایا مگر حقیقت میں ہر چیز کا ظہور ہر وقت اور ہر زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے اللہ ہی کے دربار سے ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی پرورش کے سارے سامان ظاہر فرما رہا ہے اس لئے کہ وہ رب ہے اور رب اسی ذات کو کہیں گے جو ہر مخلوق کی

ہر ضرورت کو ہر ہر زمانہ اور ہر حالت میں ان کی ضرورتوں کے مطابق مسلسل پورا کرتا رہے، بلاشبہ سائنسی ایجادات بھی ربوبیت الٰہی کا ہی مظہر ہیں۔

پٹرول سمندروں میں شروع ہی سے موجود تھا

اس کو سمجھنے کے لئے آگے غور کیجئے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے سمندر پیدا کئے اسی وقت سے پانی کے نیچے پٹرول پیدا کیا اور اسی وقت سے اس پٹرول میں مشین چلانے کی صلاحیت بھی رکھی مگر پٹرول کو پہچاننے کی صلاحیت انسان کو کب عطا فرمائی؟ اس وقت عطا فرمائی جب انسانوں کو دور دور سفر کیلئے تیز رفتار سواریوں کی ضرورت پیش آنے لگی، جہاں گھوڑا گاڑیوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

بھاپ میں قوت ابتداء ہی سے موجود تھی

اسی طرح غور کیجئے کہ آج سے دوسو سال قبل بھاپ کی طاقت دریافت کر کے ریل گاڑی ایجاد کی گئی، بھاپ کی طاقت ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک معمولی کم عقل والا بچہ بھی دیکھ کر اندازہ لگا سکتا ہے، چولہے پر کوئی چیز پک رہی ہو اور ڈھکن ڈھکا ہوا ہو تو بھاپ کی وجہ سے وہ ڈھکن اٹھ جاتا ہے، لیکن بھاپ کی طاقت کی دریافت تو آج سے صرف دوسو سال قبل ہوئی جب کہ بھاپ میں قوت شروع ہی سے موجود ہے، انسان ہزاروں سالوں پہلے سے علم بھی حاصل کر رہا ہے مگر یہ طاقت پہلے معلوم نہیں تھی جب ضرورت محسوس ہوئی تو یہ طاقت بھی معلوم ہوگئی۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانہ اور جس وقت میں مخلوقات کو جیسی جیسی ضرورتیں در پیش ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے پردۂ غیب سے سائنسدانوں کو علم دیکر ویسے ہی سامانوں کو ظاہر فرماتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں تیز رفتار سواریوں کی ضرورت تھی

پچھلے زمانے میں نہ لوگوں کی آبادی زیادہ تھی اور نہ ان کی اتنی ضرورتیں اور نہ شہر اور گاؤں اتنے پھیلے ہوئے تھے اور نہ ہر روز ہزاروں لوگ کاروبار، نوکری اور تجارت کے لئے سفر کرتے تھے، صرف مختصر لوگ مختلف چھوٹی چھوٹی سواریوں پر سفر کیا کرتے اس لئے پہلے زمانہ میں یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے نہیں دیں مگر آج انسانوں کی آبادی کا یہ عالم ہے کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں شہروں میں

تبدیل ہورہے ہیں، اگر پچھلے زمانہ کی طرح اونٹ، گھوڑا گاڑی وغیرہ کے ذریعہ سفر کیا جائے تو سخت مشکلات کا سامنا ہوگا، آج لمبے لمبے اسفار اور تیز رفتار سواریاں ضروری ہوگئی ہیں، ہر روز سیکڑوں لاریوں، موٹر کاروں، بسوں، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے مسلسل چلنے کے باوجود مسافروں اور تاجروں کو جگہ نہیں ملتی اور کئی کئی دن پہلے ٹکٹ خریدنا پڑتا ہے، سوچئے کہ اتنی زیادہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اونٹ اور گھوڑا گاڑی، بیل گاڑی پر ٹنوں من غلہ، اناج، ترکاری، پھل پھلاری اور دوسری ضروریات کی چیزیں گھنٹوں اور منٹوں میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو کیسے منتقل کی جائیں گی؟ تیز رفتار سواریاں نہ ہوں تو ہر روز گاؤں میں پیدا ہونے والا ہزاروں ٹن غلہ اناج، پھل پھلاری شہر کو منتقل کرنے کرنے تک سڑ گل کر خراب ہوجائے گا اور لوگ بھوکے پیاسے مرجائیں گے۔

اسی طرح حکومتوں کے مختلف محکموں کو اپنے اپنے انتظامات کو منٹوں اور سکنڈوں میں انجام دینے، ٹیلی فون، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور لاریاں اور بسیں نہ ہوں تو کوئی بھی محکمہ اپنے اپنے فرائض صحیح اور وقت پر ادا نہیں کرسکے گا، کہیں آگ لگتی ہے تو منٹوں اور سکنڈوں میں فائر انجنوں کے ذریعہ قابو پالیا جاتا ہے، کہیں فساد ہوتا ہے تو منٹوں اور سکنڈوں میں کنٹرول کرلیا جاتا ہے اور فوجیں ملک کی حفاظت کے لئے راتوں رات بیرکوں سے نکل کر سرحدوں پر پہنچ جاتی ہیں، محکمہ ڈاک وتار کا نظام اسی تیز رفتار سواریوں کی وجہ سے وقت پر ہورہا ہے، غرض تیز رفتار سواریاں موجودہ معاشرہ کی ضروریات کا ایک اہم جزء ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کی ضرورتیں وقت پر پوری ہورہی ہیں، اگر موجودہ آبادیوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سائنسدانوں اور انجینئروں کے ذریعہ تیز رفتار سواریوں کو ایجاد نہ کرواتا تو انسانوں کو زندگی گذارنا انتہائی دشوار کن اور مشکل بن جاتا، اس لئے موجودہ دور کی ضرورت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ تیز رفتار سواریوں کو ایجاد کروا کر انسانوں کی پرورش کا سامان پیدا فرمایا ہے۔

پانی سے بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت ابتداء سے موجود تھی

اسی طرح غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت پانی کو پیدا فرمایا اسی وقت سے پانی میں سے بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھی اور جو پانی آج ہم استعمال کررہے ہیں وہ وہی پانی ہے جو ہزاروں سال پہلے بھی موجود تھا، یعنی ابتداء کے پانی اور آج کے پانی کی قسم اور خاصیت میں کوئی

فرق نہیں، پانی کا جو فارمولہ (H2,SO4) آج ہے وہی فارمولہ شروع سے موجود ہے، چنانچہ پانی کی قسم اور خاصیت میں شروع سے آج تک کوئی فرق نہ ہونے کے باوجود پچھلے زمانہ میں پانی کی مدد سے بجلی کیوں نہیں نکالی گئی؟ اس لئے کہ اس زمانہ میں دنیا کی آبادی کو بجلی کی اتنی ضرورت ہی نہیں تھی جتنی آج کے دور میں ہے اور نہ صنعت وحرفت ہی عام تھی، آج کے زمانہ میں انسانوں کا کوئی کام بجلی کے بغیر چلنا سخت مشکل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ موجودہ دور کے سائنسدانوں کو پانی سے بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت عطا فرما کر بجلی کو ظاہر فرمایا ہے تاکہ انسانوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ خلاصہ یہ کہ نئی نئی ایجادات سے ہم پریشان نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت پر غور کریں اور اس کے شکر گذار بندے بنیں۔

دنیا میں مختلف چیزوں کی ایجادات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آبادی کے لحاظ سے ان کے غلہ اناج، ترکاریوں، پھل وغیرہ میں بھی اضافہ فرمادیا۔ پچھلے زمانہ میں کسان ہل سے کھیت کو جوت کر صرف دو چار کوئنٹل اناج حاصل کر پاتا تھا مگر دنیا میں جیسے جیسے جانداروں کی آبادی بڑھنے لگی کسی کو اناج، کسی کو پتے اور کسی کو گھاس کی بڑی مقدار کی ضرورت پڑنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے سائنسدانوں کے دماغ کے ذریعہ ایسی ایسی کھاد کی ایجادات کروا کر ایسا انتظام فرمایا کہ پہلے جہاں چاول، گیہوں کے پودوں کو ایک یا دو بالیاں لگتی تھیں آج وہاں ایسی کھاد استعمال کی جارہی ہے کہ دس دس پندرہ پندرہ بالیاں لگتی ہیں اور ہزاروں ٹن غلہ اور اناج پیدا ہورہا ہے، پہلے صرف ہل کے ذریعہ زمین کو جوتا جاتا تھا اور آج ٹریکٹر کے ذریعہ ہزاروں ایکڑ زمین کو زرخیز بنایا جاتا ہے۔

پچھلے زمانہ میں آبادی جتنی تھی اتنی ہی مقدار میں انڈے اور مرغیاں موجود تھیں مگر موجودہ آبادی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایسا علم عطا فرمایا کہ وہ مشین سے مرغی کے بچے نکال کر ہر روز ہزاروں مرغیوں کو پولٹری فارمس میں پالتے ہیں اور ہر روز فیڈ سے سیکڑوں انڈے پیدا کرتے ہیں، یہ سب ربوبیت الٰہی ہی کے انتظامات ہیں کہ قدرت ہر زمانہ کی ہر ضرورت کو مختلف طریقوں سے پورا فرمارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ محض انسانوں ہی کا رب نہیں ہے بلکہ کائنات کی ساری مخلوقات کا بھی رب ہے اس لئے وہ ہر مخلوق کی بھی ہر ضرورت کا انتظام اسی طرح کرتا رہتا ہے۔

رب العالمین کے الفاظ سے حاصل ہونے والا سبق

قرآن مجید نے رب العالمین کے الفاظ سے گویا یہ بتادیا کہ ہر مخلوق کی ربوبیت کا ایک مستقل نظام چل رہا ہے اور سب کا آخری سرا اسی قادر مطلق واحد یکتا کے ہاتھ میں ہے کوئی بھی مخلوق اس کے ہمہ گیر نظام ربوبیت سے آزاد و مستثنیٰ نہیں۔

اس لفظ سے یہ تعلیم بھی مل گئی کہ اسلام کا خدا کا کسی مخصوص نسل، مخصوص قوم، مخصوص قبیلہ کا خدا نہیں اسلام سے قبل جتنے مذاہب بگڑی ہوئی حالت میں موجود تھے وہ اس ''رب العالمین'' کی معرفت سے بالکل بھٹک چکے تھے، ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتی تھی گویا ان کے نزدیک خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی، بابل، مصر، ہندوستان، یونان، روم، عرب وغیرہ کی مشرک قوموں کا تو کیا ذکر بنی اسرائیل جیسی موحد قوم بھی اپنی اصلی تعلیمات کو بھول کر خدا کے خدائے کائنات ہونے کی پوری طرح قائل نہیں رہی تھی، قرآن مجید نے اللہ واحد کی ربوبیت کی تعلیم دے کر ان سارے مشرکانہ وگمراہ عقائد کی تردید کردی، حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی مشرک قوموں کو ہر زمانہ میں سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے اسی لئے قرآن نے بھی اسی کو مقدم رکھا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین پر غور کیجئے اس میں توحید بھی ہے اور حمد بھی اور کائنات کا تذکرہ بھی۔

اللہ کو رب اور باپ کہنے میں فرق!

اسلامی اور غیر اسلامی تعلیمات کے فرق کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اسلام نے انسان کو خدا کا بیٹا نہیں بتایا ہے بلکہ بندہ بتایا ہے اور خدا کو انسانوں کا باپ نہیں بلکہ رب العالمین کہہ کر پکارنا سکھایا ہے یعنی اس نے اللہ کو ''اَبٌ'' نہیں ''رَبّ'' کہہ کر یہ بتلا دیا کہ اللہ صرف انسانوں ہی کی پرورش نہیں کرتا بلکہ وہ کائنات کی ہر مخلوق کی پرورش کر رہا ہے۔

اس کے برعکس عیسائی قوم نے نہ صرف حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بنایا بلکہ خدا کو دنیا کے سارے انسانوں کا باپ بنادیا اور باپ کہہ کر اس کے اختیارات کو گویا محدود کرتے ہوئے دوسری تمام مخلوقات سے رشتہ بھی کاٹ دیا۔

انجیل مقدس کے تمام ترجموں میں تحریف کرتے ہوئے ہر جگہ خدا کے لئے لفظ باپ کا استعمال کیا گیا ہے لیکن قرآن کریم خدا کے لئے باپ کا لفظ استعمال نہیں کرتا بلکہ اس کی جگہ رب کا لفظ استعمال کرتا ہے، مثلاً انجیل میں حضرت مسیحؑ کا یہ قول جو بار بار نقل کیا گیا ہے جس کو ''میرا باپ تمہارا باپ'' کے ترجمہ سے لکھا گیا ہے مگر اس کی ٹھیک ٹھیک تعبیر قرآن نے یہ بتلائی ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت ''میرا رب'' اور ''تمہارا رب'' فرماتے تھے۔

عیسائی عالموں کی تاویلات

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ اس گلور نے لکھا ہے، اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر کس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس)

ان تاویلات کی روشنی میں ہم لفظ ''اَب'' اور ''رب'' کا معنوی مقابلہ کر کے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عیسائیوں کا عقیدہ اسلام کے مقابلہ میں کتنا پست اور بے جان ہے، اگر انسان کی محتاجی کی وجہ سے خدا کو رب کہنے کے بجائے باپ کہا جائے تو بیٹے کی محتاجی پر غور کیجئے کہ باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت تک ہی رہتا ہے یعنی پرورش اور حفاظت کی صورت میں بچپن کے ایک محدود عرصہ تک ہی قائم رہتا ہے، بچہ کے جوان ہوجانے کے بعد بیٹے کے نشو ونما اور ضروریات زندگی، کسی چیز میں باپ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، وہ اپنے باپ سے الگ، مستقل، بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، الٹا باپ بوڑھا ہوکر بیٹے ہی کا محتاج ہوجاتا ہے مگر ذرا غور کیجئے کہ ''عبد اور معبود، خالق ومخلوق کے درمیان جو ربوبیت اور پرورش کا تعلق ہے کیا وہ کسی وقت منقطع ہوسکتا ہے؟ کیا بندہ اپنے خدا سے کسی ایک لمحہ کے لئے بھی بے نیاز اور مستغنی ہوسکتا ہے؟ کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے؟ نہیں بلکہ انسان ہی نہیں ساری مخلوقات ماضی، حال اور مستقبل میں صرف اور صرف اللہ ہی کی

ربوبیت کی محتاج تھی اور ہے اور رہے گی۔

اسی طرح انسان ماضی میں یعنی جب عالم ارواح میں تھا تب بھی اللہ کی ربوبیت کا محتاج تھا اور اب جبکہ دنیا میں آیا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ربوبیت کا محتاج ہے اور آئندہ جب وہ آخرت میں اٹھایا جائے گا یعنی جنت میں جانے اور رہنے کے وقت میں بھی اللہ ہی کی ربوبیت کا محتاج رہے گا، غور کیجئے کہ ایک سکنڈ اور ایک لمحہ کے لئے بھی انسان نظام ربوبیت سے الگ نہیں ہوسکتا۔

یعنی ربوبیت (پرورش) عبد اور معبود، خالق ومخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز سے انجام تک ہے اور جو ایک لمحہ کے لے بھی منقطع نہیں ہوسکتا، جس کے بل اور سہارے پر کائنات کی ہر مخلوق کا وجود ہے اور وہ ذات جو ہر ہر منٹ اور ہر ہر سکنڈ پر ہر ایک کی ضرورت کو پورا کررہی ہے اس کو رب کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے اس کو باپ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو بھائی کہہ کر پکارے یا کوئی شوہر اپنی بیوی کو بہن کہہ کر پکارے اور جب ان سے پوچھا جائے کہ وہ ایسا کیوں پکار رہے ہیں اور جواب میں وہ کہے کہ ان کی محبت اور شفقت کی وجہ سے پکار رہے ہیں تو یہ تاویل صحیح نہ ہوگی، شوہر اپنی بیوی کے مقام کو اور بیوی اپنے شوہر کے مقام کو کم کررہی ہے۔

اسی طرح ایک اور نکتہ ذہن نشین کرلیجئے کہ باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیت اور برابری کا خیال پیدا ہوتا ہے اور شرک کی بو پیدا ہوتی ہے مگر لفظ رب ان تمام چیزوں سے بالکل پاک وصاف ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ عیسائی لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کو تولیدی طور پر خدا کا بیٹا نہیں کہتے مگر روحانی طور پر خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور کوئی یہ نہیں کہتا کہ خدا نے شفقت اور محبت کی وجہ سے ان کو بیٹے کے لفظ سے پکارا ہے، اگر وہ ایسا کہدیں تو ان کے عقیدہ میں بہت بڑا فرق بھی پیدا ہوجائے گا، چنانچہ انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کا روحانی بیٹا مانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سارے مقامات پر اور خاص طور سے سورۂ اخلاص میں اپنی پاکی کا اعلان فرمایا اور اچھی طرح جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی طرح کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ وہ کسی کا کسی طرح کا باپ ہے بلکہ وہ رب ہے اور ساری کائنات کا رب ہے اس لئے اسے اسی نام سے پکارنا چاہئے۔

دنیا میں قحط، خشک سالی اور دوسری تکالیف کیوں آتی ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب اللہ ہی پوری کائنات کی پرورش کرنے والا ہے اور ہر منٹ اور ہر سکنڈ، ہر مخلوق کی ہر ضرورت کو ہر حالت میں محبت کے ساتھ پورا فرما رہا ہے تو کبھی کبھی دنیا میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بہت سی آبادیاں قحط اور خشک سالی، طوفان اور زلزلوں سے ہلاک ہوجاتی ہیں؟

اس کا جواب سمجھنے کے لئے قرآن کی حسب ذیل آیات اور چند حدیثوں کو ذہن میں رکھئے ،اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ۔ (البقرۃ:۱۵۵)

اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۔ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۔ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۔ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔ (شوریٰ:۲۷تا۳۰)

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لئے روزی فراخ کردیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز سے اتارتا ہے، وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ کارساز قابل حمد ہے اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور ان جانداروں کا جو اس نے آسمان اور زمین میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان سب کو جمع کرلینے پر قادر ہے اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ درگذر ہی کردیتا ہے۔

وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔

(سورۂ سجدہ:۲۱)

اور ہم ان کو بڑے عذاب (عذاب جہنم) سے پہلے معمولی عذاب (دنیوی عذاب) دیں گے تاکہ یہ لوگ باز آئیں۔

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ:

☆ جب کوئی قوم زکوٰۃ ادا نہ کرے تو بارش بند کر دی جاتی ہے۔

☆ ایک دوسرے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ ضروری ہے اور پھر ضروری ہے کہ نیکیوں کا حکم کرتے رہو اور برائیوں سے روکتے رہو ورنہ جلد ہی تم سب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا پھر تم اس وقت اللہ تعالیٰ سے بے شک دعاء بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہ کرے گا۔ (ترمذی)

یعنی فریضۂ تبلیغ کے چھوڑنے سے عام عذاب آتا ہے اور بارگاہ خداوندی سے دعا رد کر دی جاتی ہے، وحی کی برکات سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ دنیا میں عام طور پر تین وجوہات کی بناء پر مصیبتیں آتی ہیں۔

(۱) نیک اور صالح بندوں کے درجات بلند کرنے کے لئے آزمائش کے طور پر۔

(۲) فاسق اور فاجر انسانوں کو گناہوں کا احساس دلانے کے لئے۔

(۳) باغی، سرکش اور بے ایمان انسانوں پر عذاب کی شکل میں۔

اگر کسی انسان یا قوم کی موت غذا اور پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے واقع ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان انسانوں تک غذا اور پانی نہیں پہنچا سکتا ہے بلکہ ہر وقت انسانوں کے سروں پر پانی کے بادل تیرتے ہی رہتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بے موسم بھی پانی برسا سکتا ہے اور ہم دیکھتے بھی ہیں کہ شدید گرما کے موسم میں بارش ہوتی ہے مگر دنیا میں اکثر انسانوں کو زلزلے، طوفان، قحط اور خشک سالی اور وباؤں کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے، یہ سب حالات انسانوں کی اپنی نافرمانیوں، سرکشیوں اور بغاوت ہی کی وجہ سے دنیا میں پیدا ہوتے رہتے ہیں یعنی انسانوں کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے جن کی وجہ سے ان شکلوں میں وہ ہلاک کر دئے جاتے ہیں ورنہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ جن انسانوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہے یا جن کی ایسے حالات کے ذریعہ آزمائش کرنا چاہتا ہے ان کو صبر کی قوت عطا فرماتا ہے اور ان حالات کو برداشت کرنے کی صلاحیت دے کر ان کو بچا بھی لیتا ہے۔

جس انسان کی زندگی میں ایسے حالات نہ آئیں تو وہ مرنے تک برابر کھاتا پیتا رہتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کرتا رہتا ہے جن کا عام مشاہدہ ہم اپنی زندگیوں میں کرتے بھی رہتے ہیں کہ کچھ انسان مرنے سے کچھ دیر پہلے کھانے پینے کی خواہش کرتے ہیں اور ایک دونوالہ کھا بھی لیتے ہیں مگر پھر مرجاتے ہیں اس لئے جس انسان کے مقدر میں جتنے تھیلے چاول، جتنے کوئنٹل ترکاری اور جتنے لیٹر پانی اور جتنے پونڈ ہوا استعمال کرنا ہوتا ہے وہ اتنا استعمال کئے بغیر نہیں مرتا، ہر ایک کے لئے اس کے کھانے پینے اور سانس لینے کی مقدار اس کے پروردگار کی طرف سے مقدر میں لکھی ہوئی رہتی ہے اور انسان کے دنیا میں آتے ہی اللہ تعالیٰ اس کا رزق اس کے ساتھ ہی بھیج دیتا ہے یعنی بچہ پیدا ہوتے ہی فوراً اس کی ماں کے سینہ سے اس بچہ کی غذا جاری ہونا شروع ہوجاتی ہے اس لئے اسلام نے یہ یقین دلایا کہ دنیا کے لئے زیادہ دوڑ دھوپ کی ضرورت نہیں جس کو جتنا ملنا ہے ملکر رہے گا، دنیا کی حقیقت ظاہر کرتے ہوئے اسلام نے بتایا کہ یہ آخرت کے کمانے کی جگہ ہے اس لئے دنیا میں محنت اور کوشش آخرت بنانے کے لئے کرنی چاہئے۔

نظام ربوبیت سمجھا کر توحید کی دعوت دی جاسکتی ہے

خدا کے نظر نہ آنے پر اگر انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ دنیا خود بہ خود بن گئی ہے اور خود بہ خود چل رہی ہے یعنی ربوبیت کا یہ پورا نظام خود بخود وجود میں آتا جارہا ہے اور کوئی ہستی، کوئی ارادہ، کوئی حکمت، کوئی قوت اس کے اندر کارفرما نہیں ہے تو سوچئے کیا یہ ممکن ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں ایک بولتی ہوئی پروردگاری اور ایک ابھری ہوئی کارسازی اور تخلیق تو موجود نظر آرہی ہے مگر کوئی پروردگار، کوئی کارساز موجود نہ ہو یعنی یہ بالکل ایسی بات ہوگئی کہ پروردگاری موجود ہے مگر کوئی پروردگار موجود نہیں، کارسازی اور تخلیق موجود ہے مگر کوئی کارساز اور خالق موجود نہیں، رحمت موجود ہے مگر رحمان موجود نہیں، حکمت تو موجود ہے مگر کوئی صاحب حکمت موجود نہیں، سب چیزیں موجود ہیں مگر پیدا کرنے والا موجود نہیں، عمل بغیر کسی عامل کے، نظم بغیر کسی ناظم کے، عمارت بغیر کسی معمار کے، نقش بغیر کسی نقاش کے وغیرہ وغیرہ کیسے وجود میں آسکتا ہے۔

انسان کی فطرت کبھی یہ باور نہیں کرسکتی کیونکہ وہ ہمیشہ سچائی ہی کو مانتی اور احساس دلاتی

ہے اس کا وجدان پکار اٹھے گا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں، قرآن کہتا ہے کہ یہ بات انسان کے وجدان کے خلاف ہے کہ وہ دنیا میں نظام ربوبیت کا مطالعہ کرے پھر ایک رب العالمین ہستی کا یقین اور احساس اس کے اندر سے جاگ نہ اٹھے، وہ کہتا ہے کہ ایک انسان غفلت اور سرکشی میں ہر چیز کا انکار کرسکتا ہے لیکن اپنی فطرت کی آواز سے انکار نہیں کرسکتا، ہر چیز سے جنگ کرسکتا ہے لیکن اپنی فطرت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا، وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی اور پروردگاری کا ایک عالمگیر کارخانہ پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی فطرت کی صدا کیا ہوتی ہے، اس کے دل و دماغ کے ایک ایک ریشے میں کونسا اعتقاد سمایا ہوتا ہے، کیا یہی نہیں ہوتا کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے اور یہ سب کچھ اسی کی کرشمہ سازیاں ہیں؟

قرآن کریم کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان اور ذوق سے ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے اور ہر ایک کو خدا نے صحیح فطرت پر پیدا کیا، اگر ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے تو وہ جان بوجھ کر اپنی فطرت کو مسخ کرتے ہوئے فطرت کی آواز کے خلاف غفلت اختیار کرتا ہے، انسان اگر کائنات میں غور وفکر کریگا تو اسے معلوم ہوگا کہ ہر چیز ایسی ہے کہ اسے پرورش اور نگہداشت کی احتیاج ہے اور اسے پرورش مسلسل مل رہی ہے، پس بلاشبہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہے، یہ پرورش کرنے والا کون ہے؟ یقیناً وہ نہیں ہوسکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو۔

اسی طرح کائنات میں غور وفکر کرنے سے انسان کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر چیز میں پرورش اور نگہداشت کا سامان موجود ہے، یہ سامان پرورش ہر مخلوق کی ہر حالت اور ضرورت کے لحاظ سے اور ہر کیفیت کی مناسبت سے رکھا گیا ہے جو ہر انسان کو وجدانی طور پر یہ یقین بھی دلاتا ہے کہ ایک پروردگار عالم موجود ہے، اسی طرح کائنات میں انسان مزید غور وفکر کرے گا تو اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ کائنات کی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ہر چیز میں باقاعدگی ہی باقاعدگی ہے، بے قاعدگی ہرگز نہیں، ہر چیز ڈھنگ اور اصول کے ساتھ وجود میں آرہی ہے اور خاص ترتیب اور ضابطہ بھی رکھتی ہے۔

مثلاً ہر موسم کا اپنے اپنے وقت پر آنا، سورج، چاند اور ستاوں کا وقت پر طلوع وغروب ہونا،

دن اور رات کا وقت پر ظاہر ہونا ،میووں ، ترکاریوں اور اناج پھلوں اور پھولوں کا اپنے اپنے موسموں میں پیدا ہونا، پھر اسی طرح ہر پھول کی الگ الگ خوشبو، ہر پھل کا الگ الگ مزہ، ہر غذا کی الگ الگ تاثیر، ہر جانور کا الگ الگ مزاج اور کام،غرض یہ کہ کائنات کی ہر چیز میں ڈھنگ اور سلیقہ ہی سلیقہ موجود ہے یقیناً کوئی ذات ہے جو اپنے نظام ربوبیت کے ذریعہ باقاعدہ اس کائنات کی پرورش اور نگہداشت طریقہ اور سلیقہ سے کر رہی ہے غرض زمین کی ہر چیز میں، آسمان کے ہر منظر میں، زندگی کے ہر شعبہ اور ہر تغیر میں بس اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی نشانیاں ہی نشانیاں موجود ہیں۔

اگر کوئی انسان یہ سمجھتا ہے کہ کائنات میں مختلف انتظامات ،مختلف چھوٹے چھوٹے خدا سنبھال رہے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں ان خداؤں کے درمیان خوب اختلاف ہوتا، کوئی کہتا کہ انسانوں کے لئے صرف اناج پیدا ہو اور کوئی کہتا کہ نہیں صرف پھل اور ترکاریاں ہی پیدا ہوں، کوئی کہتا کہ آج پانی برسنا چاہئے تو کوئی کہتا کہ میں آج پانی برسنے نہیں دوں گا، کوئی کہتا کہ آج سورج مغرب سے نکلے اور کسی کا اصرار ہوتا کہ مغرب سے نہیں مشرق سے ہی طلوع ہو، کوئی کہتا کہ آج پورب کی ہوا چلے تو کوئی مصر ہوتا کہ نہیں پچھّم کی ہوا چلنی چاہئے ، کوئی کسی دن سمندری طوفان کا تقاضا کرتا تو کوئی اس کی نفی کرتا، کسی کی خواہش ہوتی کہ آج چاند بے نور رہے تو کوئی اس کی مخالفت پر اٹل رہتا، کسی کا تقاضا ہوتا کہ آج فلاں جگہ زلزلہ آئے تو کسی کی تمنا ہوتی کہ زلزلہ نہ آئے۔

غرض اس طرح آئے دن ان خداؤں کے درمیان اختلافات ہوتے رہتے ،نتیجہ یہ ہوتا کہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا کوئی باقاعدگی وسلیقہ باقی نہیں رہتا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کی وحدت اور یکتائی کا یقین ہی انسان کو رکھنا چاہئے کیونکہ یہی واقعہ کے مطابق بھی ہے اور عقل سلیم کا تقاضا بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

(بے انتہاء مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے)

الرحمٰن اور الرحیم یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے پہلو ہیں اور رحمت کے دو علٰحدہ علٰحدہ پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ اپنی مختلف صفات کو ظاہر کر کے اپنا تعارف اور پہچان کروایا مگر دوسری تمام صفات کے علٰحدہ علٰحدہ پہلو نہیں بتلائے صرف صفت رحمت ہی کے پہلوؤں کو الرحمٰن الرحیم کی شکلوں میں علٰحدہ علٰحدہ بتلا کر مخلوقات کے ساتھ اپنی بے انتہاء رحمت وشفقت کا اظہار فرمایا ہے اور انسانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے مالک کا صحیح تصور ذہن میں قائم رکھ کر اسے مانیں۔

قرآن مجید تمام کا تمام رحمت الٰہی کا مظہر ہے

یوں تو رحمت کے معنی معلوم کئے جاسکتے ہیں مگر کیفیت اور حقیقت بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، لفظ رحمت میں ''محبت'' شفقت، فضل، احسان، انعام، عطا، مہربانی، بخشش سب کچھ شامل ہیں، قرآن مجید نے کسی صفت کا اتنا تذکرہ نہیں کیا جتنا صفت رحمت کو بار بار دہرایا ہے اور تین سو سے زائد مقامات پر صفت رحمت کا ذکر کیا گیا، اس کے علاوہ وہ تمام مقامات جہاں پر لفظ رحمت کے بجائے رحمت ہی سے تعلق اور نسبت رکھنے والے الفاظ مثلاً ربوبیت، عدل، ہدایت، کرم، عفو ودرگذر، مغفرت، مدد، احسان، فضل، انعام، عطاء، بخشش، مہربانی، محبت، شفقت جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پورا کا پورا اسی سے بھرا ہوا ہے گویا کتاب الٰہی رحمت الٰہی سے بھری پڑی ہے۔

بسم اللہ کے ساتھ الرحمٰن الرحیم کو جوڑنے میں کیا حکمت نظر آتی ہے؟

ذرا غور کیجئے کہ بسم اللہ کے ساتھ الرحمٰن الرحیم کو جوڑنے میں کیا حکمت نظر آتی ہے، غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو قرآن مجید کی ہر سورت سے جوڑ کر اور شروع

کر کے گویا بندوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ انسانوں کے رب اور پروردگار نے انسانوں کی زندگی کے لئے جو ضابطہ، قانون اور احکام دئے ہیں وہ تمام کے تمام رحم پر مبنی ہیں اور اللہ کی رحمتوں کا ظہور ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم و کرم کا معاملہ کیا ہے، ان میں رتی برابر ظلم، نا انصافی، زیادتی اور تکلیف نہیں، انسانوں کے لئے سراسر فائدہ ہی فائدہ ہیں، اگر انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اس کیفیت اور احساس کے ساتھ پڑھ کر قرآن مجید کے ہر سورہ کی تلاوت کرے تو اسے احکام اور قانون کی حکمت اور ان کے ذریعہ انسان کی حفاظت و اہمیت سمجھ میں آئے گی اور وہ شوق و ذوق سے دل کی گہرائی سے کلام الٰہی کی تلاوت کرے گا، اس کے دل و دماغ پر اللہ تعالیٰ کا ادب و احترام پیدا ہو کر محبت میں اضافہ ہوگا اور وہ اپنے مالک کا احسان مند بنے گا۔

حضور ﷺ کے دنیا میں آنے سے پہلے انسانیت جانوروں کی سطح سے بھی نیچے گری ہوئی تھی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے انسانیت جانوروں سے بھی گئی گذری بن چکی تھی، وہ رحم، محبت، شفقت، احسان مندی، عفو و درگذر، معافی، مدد جیسے اخلاقی جواہر سے خالی ہو چکی تھی، ان کی بے رحمی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی ہی اولاد کو زندہ دفن کر دیتی، ذرا ذرا سی بات پر لوگ نسل در نسل جنگیں لڑتے اور ہزاروں انسانوں کا قتل کر ڈالتے اور اپنے ہی جیسے انسانوں کو غلام بنا کر ان سے جانوروں جیسا سلوک کرتے اور سود کے نام پر انسانوں کا خون چوستے اور خود غرض زندگی گذارتے، باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماں پر قبضہ کر لیتے، یتیموں اور مسکینوں کا مال کھا جاتے، انسانوں کو جانوروں کی طرح تکلیف دے کر بے رحمی سے قتل کر ڈالتے، کھیل تماشوں میں ان کی جانیں لے لیتے، انسانوں کو اذیتیں دے دے کر تماشائیوں کے سامنے قتل کرتے یا درندوں کے سامنے ڈال دیتے یا زندہ جلا دیتے، راتوں رات لٹیرے ڈاکو بن کر قبیلوں پر حملہ کرتے اور عورتوں اور بچوں کو لوٹ لیتے، مردوں کو قتل کر ڈالتے، شہروں اور بستیوں کو آگ لگا ڈالتے، غرض ان میں اخلاقیات کا جوہر اور مغز،

رحم، محبت، شفقت ہونا چاہئے تھا وہ بالکل غائب ہو چکا تھا اور وہ درندے بن چکے تھے اور ایک خودغرض اور بے رحم ظالمانہ زندگی گذار رہے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انسانوں کی آبادی میں جو پیغام دیا وہ عفو، رحم اور محبت کا پیغام تھا، انہوں نے دشمن کے ساتھ احسان کرنے، بدلہ نہ لینے اور معاف کرنے کی تعلیم دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھی جو تعلیم دی گئی اس میں اللہ تعالیٰ کا تعارف الرحمٰن الرحیم سے کروا کر گویا انسانوں کو اپنے اندر اپنے مالک اور پروردگار کی صفت رحمت کو اختیار کر کے زندگی گذارنے کی تعلیم دی گئی، اور دشمنی کو احسن طریقوں سے دفع کرنے اور دشمن کے ساتھ احسان کرنے کی تعلیم دی گئی اور لوگوں کو معاف کرنے، مدد کرنے کا جذبہ پیدا کیا گیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تعلیم دی کہ اے انسانو! تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا، تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کو ذہن میں رکھ کر انسانوں اور دوسری مخلوقات کے ساتھ رحم کرنا سیکھے اور زمین پر رحمت بن کر رہے نہ کہ زحمت، اس صفت کے بغیر انسان میں اخلاق حسنہ پیدا نہیں ہوتے، جب انسان میں رحم کی صفت نہیں ہوتی تو وہ انسانی شکل میں بے رحم درندہ بن جاتا ہے، انسان میں انسانیت کا جوہر پیدا ہونے کیلئے سب سے پہلے اس میں رحم کی صفت پیدا ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے دوسری قوموں نے شرک کا راستہ اختیار کیا

انسانی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ جب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت سے صحیح واقفیت نہیں ہوتی تو انہوں نے شرک کے راستہ کو اختیار کیا اور آج بھی کر رہے ہیں، چنانچہ یہودیوں کے نزدیک خدا کا تصور دنیوی بادشاہوں کی طرح غیظ وغضب والا ہے، وہ خدا کو کشتی لڑنے والا، غصہ اور جلال میں انسانی بستیوں کو تباہ وتاراج کرنے والا ظاہر کرتے ہیں، تورات کی روایت ہے کہ رب اور یعقوبؑ الجھ گئے اور ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو گئے پھر رب نے بڑی مشکل سے جان چھڑائی وہ بھی اس طور سے کہ یعقوب کو اسرائیل کا لقب پیش کیا، ان کے پاس اللہ تعالیٰ

کی شان رحمت کا تصور ہی نہیں۔

عیسائیوں نے تو اللہ تعالیٰ کی شان رحمت پر نظر رکھنے کے بجائے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا کر سولی پر چڑھانے کا عقیدہ گھڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کو رحمٰن ورحیم جان کر اس سے معافی مانگنے اور اس کی طرف رجوع ہونے کے تصور ہی کو ختم کر ڈالا، وہ معافی کی درخواست راست خدا سے کرنے کے بجائے اپنے پادریوں کو گناہ کی تفصیلات بتلانے اور ان سے گناہ معاف کرانے کا تصور رکھتے ہیں اس طرح توبہ کا تصور ہی ختم کر لیا۔

مشرک قوموں نے خدا کو اپنے دنیوی بادشاہوں کی طرح جلال و جبروت والا، غصہ اور مزاج کی تیزی والا، بے رحم اور سخت مان کر اس کے پاس اس کے درباریوں اور خاص خاص دوستوں کے واسطے اور وسیلے سے جانے کا تصور قائم کر لیا اور شرک میں گرفتار ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ کو غیظ وغضب والا، بے رحم مان کر اللہ تعالیٰ کی شان رحمت ہی سے واقف نہ ہو سکے۔

انسانوں کی ایک بڑی تعداد نے اللہ کی رحمت کا غلط اندازہ لگا کر گناہ کا راستہ اختیار کیا

انسانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کا غلط تصور قائم کر کے جان بوجھ کر گناہ کرتی اور گناہ پر اصرار کرتے ہوئے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے الرحمٰن الرحیم ہونے کا احساس دلا کر گناہ کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور یہ تصور رکھتی ہے کہ گناہ کرتے جاؤ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کرنے والے ہیں، جب ایک ماں اپنے بچے کو آگ میں جلتا ہوا دیکھنا برداشت نہیں کر سکتی تو خدا اپنے بندہ کو آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر کیسے برداشت کرے گا؟ کیا وہ اپنی ملکیت کو خود جلائے گا؟ وہ تو ستر ماؤں سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ انسانوں کی ان حالتوں کو ذہن میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن اور رحیم کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

(دوسرے ایڈیشن میں سلسلہ جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆